شمارہ نمبر 02

جولائی 2020

شاہراہِ فکروعمل پر فہمِ سلف کا چراغ

ماہنامہ

اَلمَحَجّة

آن لائن

- شیعی عبادت صرف قرآنی روشنی میں
- کیا قبروں کو سنت کے مطابق برابر کرنا بے حرمتی ہے؟
- اہلِ بدعت کی کتب سے استفادے کا ضابطہ
- مرتد کی سزا، جدیدیت اور اجماعِ امّت کے تناظر میں
- نیت؛ معنی ومفہوم اور بعض مسائل
- شفعہ کے مسائل
- شبہات سے بچاؤ کے لئے چند مبادیات
- حالیہ امریکی فسادات؛ بعض عقدی وفکری پہلو
- خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را!

وہ روشنی دکھانے والے کیا ہوئے؟!

حدیث میں آتا ہے ہر آنے والا زمانہ اپنے سے پہلے کی نسبت بدتر ہوگا۔ بعض سلف نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ یہ برائی علم والوں کا چلا جانا ہے۔ صالحین پے در پے چلے جائیں گے اور پیچھے چھان بورے کی فوج ظفر موج رہ جائے گی۔ "تکادم الحمر" کی سیاست میں ہلکان ہوتے اصحابِ منبر، احزاب کی جھوٹی تمناؤں کے پیچھے سرگرداں نوجوان اور دین کو "کیپ سائٹنگ اِٹس سنہ" تک محدود رکھنے والے داعیان! مگر وہ روشنی دکھانے والے، زمین کا بوجھ اٹھانے والے کیا ہوئے؟!

کوئی پندرہ برس ہوتے ہیں کہ مسندِ پاکستان شیخ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ نے کویت میں درسِ بخاری دیتے ہوئے بڑی دردمند صدا لگائی تھی:

"أين ابن باز؟ أين الألباني؟ أين ابن عثيمين؟ أين شيخنا الحافظ عبد الله الروبري؟ كان عديم النظير في زمانه! أين الحافظ الغوندلوي؟ أين حماد الأنصاري؟ لقد صار العلماء كما قال الحافظ الذهبي: كدت ألا أراهم إلا في كتاب أو تحت التراب!"

"ابن باز کہاں ہیں؟ البانی اور ابن عثیمین کہاں ہیں؟ ہمارے شیخ یکتائے زمانہ حافظ عبداللہ روپڑی کدھر گئے؟ حافظ گوندلوی اور حماد انصاری کہاں ہیں؟ علماء تو امام ذھبی کا یہ قول ہو گئے کہ میں انہیں کتاب میں پاتا ہوں یا تراب میں!"

رحمهم الله واجمعنا بهم في جنات النعيم.

بہرکیف! کہنے کی بات یہ ہے کہ جیسے جیسے نفوسِ طیبہ رخصت ہو رہے ہیں، ان کے اخلاف پر سنت اور فہم سلف کا منہلِ صافی جاری و ساری رکھنے کی ذمہ داری بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ اللہ ہمیں اس ذمہ داری کا شعور دے، پھر اسے نبھانے کی توفیق بھی دے۔ اگر نبوی نصیحت "ترجعون إلى أمركم الأول" نصب العین رہے تو اللہ سے بہت خیر کی امید ہے۔ وگرنہ کتنے ہی لوگ جنہیں ہم زہد و تقوی اور خیر میں بہت آگے دیکھتے تھے، شبہات و شہوات کے فتنوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ والمعصوم من عصمه الله!

رسالے کے نام پر بہت اعتراض ہوا۔ والدہ مگر یہی کہتی تھیں کہ نام وہ مت رکھنا جو لوگ چاہیں، وہ رکھو جو تمہارے مقصود کی غمازی کرے۔ پھر **المحجة** پر احباب نے اتفاق کر لیا، اس امید کے ساتھ کہ یہ شاہراہِ فکر و عمل پر فہمِ سلف کا چراغ ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ لیکن بات وہی ہے کہ دعوی کوئی نہیں ہے، کم مائیگی و بے بضاعتی کا پورا احساس ہے، اخلاص کو ڈھونڈتے ہیں کہاں کھو گیا؟! توفیقِ الٰہی کے بھکاری اور رحمت باری تعالی کے منتظر! والله المستعان وعليه التكلان!

(فیضان فیصل)

محتویات

رابطہ برائے تبصرہ وتجاویز / مضامین ومراسلات:

00923039438696 00966583089571 00923406007170

almahajjah100@gmail.com

شیعی عبادت صرف قرآنی روشنی میں

ملک ابویحییٰ امام خان نوشہروی رحمہ اللہ

زیرِ نظر مضمون مجلہ اہل حدیث (امرتسر) ج:۳۶، ش۱۸، ۱۱ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ/ ۳ مارچ ۱۹۳۹ء سے ماخوذ ہے۔ مضمون نگار مولانا ابویحییٰ امام خان نوشہروی رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے معروف مصنف گزرے ہیں۔ مشہور زمانہ ''تراجم علمائے حدیث ہند'' ان ہی کی تصنیف ہے۔ مولانا کا اصل نام عبدالغنی تھا۔ آپ کا انتقال ۱۹۶۶ء میں ہوا۔

شیعی عبادت[1] کس ذوق پر مبنی ہے؟ یہ بجائے خود محل نظر ہے اور اس ذوق کی پاداش میں شیعہ جماعت شروع سے لے کر اب تک یہود کی طرح خدائی نعمتوں تمکین فی الارض سے کس بُری طرح محروم رہی۔ حتیٰ کہ حضرت ابوالائمہ تک بھی ایک ساعت کے لیے خلافتِ سیاست پر تمکین حاصل نہ فرما سکے۔ مگر یہ موقعہ اس تفصیل کا بھی نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ شیعی حضرات نے ''ظالمین'' کے فرضی عنوان سے لعنت[2] کی جو رچنا رکھی ہے اس کا مبنی احکام قرآنی ہیں یا اختراع طبعی؟

قرآن مجید میں ((لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ)) قسم کی آیتیں تو ضرور ہیں مگر کوئی ایک آیت بھی ایک دوسرے پر لعنت برسانے کے لیے حکم کے طور پر نہیں آئی۔ جس آیت سے لعنت کا برملا استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾[3]

''بے شک جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بینات وہدایات کو چھپایا حالاں کہ وہ تو ظاہر کرنے کی غرض سے ہم نے بھیجی تھیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور جملہ لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔''

تو کیا اگر اخفائے ما انزل اللہ کرنے والوں پر لعنت بازی نہ کی جائے تو ایمان کی خیر نہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آیات احکام میں داخل نہیں کہ ان کی وجہ سے لعنت کو ہم شغلِ دین سمجھ کر ایک دوسرے کو اس کا مورد

---

[1] شیعہ حضرات کے ہاں سَبَ ولعنت کرنا بھی باقاعدہ ایک عبادت ہے۔ اسی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل سنت پر لعن طعن کے تیر برسائے جاتے ہیں اور ان کے ہاں یہ لعنت کرنا نماز ہی کی طرح عبادت اور باعث ثواب ہے۔ بلکہ جس طرح درود واجب ہے اسی طرح لعنت بھی واجب ہے۔ مزید برآں نماز کے بعد ذکر و اذکار میں بھی لعنتیں کرنا مستحب سمجھا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: نفحات اللاهوات في لعن الجبت والطاغوت للكركي العاملي: 43، المختصر في تحقيق معاينة المختصر للنبي والائمة للحلي: 149، مستدرك الوسائل ومستنبط المسائل: 5/ 60) یہ حضرات اپنی اس عبادت پر قرآنی وحدیثی دلائل بھی دیتے ہیں۔ مثلاً جن آیات میں کفار یا ظالمین پر لعنت وارد ہوئی ہے، ان سے استدلال کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں قرآن کی روشنی میں الزامی اسلوب اپناتے ہوئے اس شیعی عبادت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

[2] اس سے مراد وہ لعنت ہے جو شیعہ حضرات بزرگانِ دین پر کرتے ہیں۔

[3] البقرہ:۱۵۹

بناتے رہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ [1]

''الہ العالمین نے جو چوپائے پیدا کیے ہیں تو ان میں سے بعض تمہاری سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کھانے کے۔''

کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک دوسرے پر لعنت برسانے کی طرح ہم چار پایوں کی پشت پر ضرور چڑھے پھریں اور وقت بے وقت اور چارونا چار ہم بعض چار پایوں کا گوشت کھانا بھی واجب سمجھ لیں۔ حالاں کہ آج تک اس آیت سے شیعی علمائے عظام نے اس وجوب کا استدلال نہیں فرمایا۔ پھر آیت ((لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ)) سے اعدائے اہل بیت پر لعنت کا استدلال کیوں کر ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں یہ آیات بھی ہیں کہ:

﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝۵ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ۝۶ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝۷ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۸﴾ [2]

''اور چار پائے بھی ہیں جو ہم نے تمہاری ضروریات کے لیے پیدا کیے ہیں۔ ان میں سے بعض تمہارے لیے گرمی کا سامان اور دوسری قسم کے منافع ہیں۔ اور چار پایوں میں تمہارے لیے رونق بھی ہے کہ صبح و شام (دونوں وقت) جب وہ چرنے کے لیے جنگل کو جاتے اور شام کے وقت واپس لوٹتے ہیں تو کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ان چار پایوں پر تم بار برداری بھی کرتے ہو جس کو تم خود نباہ نہ سکتے تھے۔ انہی چوپایوں میں گھوڑے ہیں، خچر ہیں اور گدھے ہیں جن پر تم سوار ہو کر اپنی شان دکھا سکتے ہو۔''

تو کیا: ① اعدائے اہل بیت یا ظالمین پر لعنت کی بوچھاڑ کے ساتھ ساتھ اونی کپڑے پہننا بھی واجب ہے؟ ② اسی طرح شوقِ لعنت کی طرح ہر ایک مجتہد اور عالم کے لیے ایسا ریوڑ پالنا بھی لازم ہے جو صبح کے وقت چرنے کے لیے جائے اور شام کے وقت گھر لوٹ کر طویلہ کی زینت بنے؟ تاکہ مومنین کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہو سکے۔ ③ اسی طرح اہل بیت یا ظالمین پر وجوب لعنت کی طرح چار پایوں پر سواری کرنا بھی واجب ہے؟ اور یہ بھی فرض ہے کہ شیعی حضرات بوقت ضرورت اپنا سامان لاریوں اور ٹرینوں پر لادنے کی بجائے چوپایوں کی پشتوں پر منتقل کرنا ضروری سمجھیں؟ ④ خچر اور گدھے کی سواری بھی ہر ایک مجتہد اور عامی شیعہ کے لیے واجب ہے؟ مگر اس آیت سے اس قسم کے وجوب کا کوئی عالم قائل نہیں۔

شیعی لعنت کا عکس:

ہم برملا کہتے ہیں کہ شیعی لعنت کا یہ شور و شین صرف اخیار اصحاب محمد (اللّٰھم صل علی محمدٍ و علی آل محمدٍ و علی اصحاب محمد) سے نفرت اور علی و آل علی علیہم السلام کے ساتھ غلو محبت کے پروپیگنڈا کی غرض سے برپا کیا گیا۔ اور ان حضرات کا یہ مشغلہ عمل میں فرائض و مؤکدات سے اہم در اہم ہے۔ (صفت بندہ سے نہ چھپائے گا) جو ہر حال و ہر قال میں معمول بہ ہو چکا ہے۔ ولیکن چوں کہ مسئلہ لعنت کا ثبوت آیت زیر بحث سے کیا جاتا ہے یعنی:

---

[1] المومن:۷۹

[2] النحل:۵-۸

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ [1]

''بے شک جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بینات و ہدایات کو چھپایا حالاں کہ وہ تو ظاہر کرنے کی غرض سے ہم نے بھیجی تھیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور جملہ لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔''

محل نظر یہ ہے کہ جس طرح خلفائے ثلاثہ نے جناب امیر علیہ السلام سے متفقہ نصوص خلافت کو چھپا کر خود ہی خلافت پر تسلط جما لیا جس سے وہ ((مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ)) کے ''تم چھپانے والے ہوئے'' اور ((أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ......)) کے مصداق قرار پائے تو اس اصول کے مطابق کہ:

''جو شخص بھی ((مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ)) کے بعد کتمانِ حق کا مرتکب ہو وہ خداوند عالم اور جملہ لاعنین کی لعنت کا مستحق ہے۔''

ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ کہیں جناب امیر علیہ السلام سے بھی تو کتمان نہیں ہوا؟

مشکل بہت پڑے گی مقابل کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کے

تو: اگر ایک طرف شیعی حضرات آیت ((بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ)) ''تبلیغ حکم الٰہی کیجئے'' اور ((وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ربہ)) ''اگر ایسا نہ کیا تو تبلیغ ناتمام رہ جائے گی'' سے استدلال فرماتے ہیں وصیت امیر علیہ السلام کا۔ جس پر نص ((الیوم اکملت لکم دینکم)) ''آج میرے دین کی تکمیل ہو چکی'' اس سے استدلال کیا جاتا ہے اور ان دونوں آیتوں کے اس (من مانے) ربط سے ثابت کیا جاتا ہے کہ اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خم غدیر پر امیر المومنین کو اپنا وصی ظاہر نہ فرماتے تو قصر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروں پر گر پڑتا اور دین ناقص رہ جاتا۔

ہاں صاحب! بے شک اگر رسالت کا کوئی حکم بھی ظاہر ہونے سے رہ جائے تو رسالت ناقص اور رسول کاذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ موجودہ قادیانی رسالت کا انجام ہوا جس کی نبوت کی نیّا دریائے بیاس کے دھارے پر ہچکولے کھا رہی ہے مگر الحمدللہ رُسُل میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔ آخر تو رسول ربانی تھے۔

یہ خیال بھی رہے کہ شیعی معتقدات میں خلافت کہیں افضل ہے رسالت سے۔ اسے بھی فراموش نہ کیجئے گا کہ کسی رسول نے کسی موقعہ پر اپنے رسول ہونے کو پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ بعض اس منصب کے اظہار کے عوض میں ساڑھے نو سو سال تک موردِ ستم رہے، بعض آگ میں ڈالے گئے، بعض ملک بدر کیے گئے، بعض پھانسی پر لٹکائے گئے، بعض ہجرت کر کے اپنے مولد سے دور قیام فرما ہوئے۔ مگر کبھی اپنے منصب رسالت کو علی رؤوس الاشہاد ظاہر کرنے سے نہ رُکے۔

پس اس سنت کے مطابق لازم آتا ہے کہ خلافت جو کہ رسالت سے بھی افضل ہے اس کے اظہار و اعلان میں بھی تامل نہ روا رکھا جائے کیوں کہ یہ تو بہت بڑی ''بینہ'' اور ''ہدایت'' ہے۔

---

[1] البقرہ:۱۵۹

لیجئے! حضرت الرسول -روحی- فداہ رحلت فرما ہوئے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں (یار لوگ ہی سہی) مل بیٹھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت مسلّم ہوگئی مگر حضرت علی نے سقیفہ میں کوئی پیغام نہیں بھیجا کہ سقیفہ والو! یہ کیا کتمان کر رہے ہو؟ خلیفۃ الرسول تو میں ہوں۔ تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر بھی امیر المومنین نے خود کو "علی رؤس الاشہاد" خلیفہ رسول بنا کر اظہار "بینہ" نہیں کیا بلکہ کچھ مدت بعد خلیفہ اول کی بیعت پر راضی ہوگئے۔ (علی طریق الشیعہ) کتنا بڑا کتمان حق ہے کہ حضرت علی نے منصب خلافت جیسی بینہ اور ہدایت جو کہ تمام ہدایتوں کا سرچشمہ ہے، نبوت جس کے سامنے لاشئی، رسالت جس کے آگے طفل مکتب، یوں چھپالیا!!

سوال یہ ہے کہ جس طرح خلفائے ثلاثہ بشمول دیگر رفقاء جناب امیر المومنین کی نص خلافت کو چھپا کر لعنت کے مستحق قرار پاسکتے ہیں کیا اُسی طرح امیر المومنین اپنی اس نص کو چھپا کر اسی لقب کے...... والعیاذ باللہ

اختصار مطالب:

① شیعی حضرات لعنت کا ثبوت بصورتِ حکم قرآن مجید سے ثابت کریں۔

② اگر ظلم یا کتمان بینہ کی وجہ سے کسی کو لعنت کا موجب قرار دیا جاسکتا ہے تو جناب امیر علیہ السلام جنھوں نے اپنی خلافت و وصایت کی بینہ کو (بقول شیعہ) چھپایا ان کا کیا حکم ہے؟

ہمارا عقیدہ:

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک کے متعلق ہمارا عقیدہ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" سے ذرا بھی کم نہیں۔ خلفائے اربعہ جن میں جناب امیر علیہ السلام کا چوتھا درجہ ہے اس کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ:

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

خصوصاً جناب امیر علیہ السلام عشرہ مبشرہ میں سے تھے جو ان پر لعنت کرے وہ خود لعنتی ہے۔ اسی طرح بقیہ عشرہ مبشرہ و دیگر اصحاب پر لعنت کا ثمرہ بھی بُرا ہے۔

کیا قبروں کو سنت کے مطابق برابر کرنا بے حرمتی ہے؟

حافظ عبید الرحمن عبد الستار گوندل

بسم اللہ والحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ

چند دنوں پہلے بلادِ شام سے خبر آئی کہ روافض انجاس نے امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی قبر کی بے حرمتی کی ہے، جس پر اہل سنت نے غم وغصے کا اظہار کیا اور اہل سنت اور روافض میں قربت کے داعیوں کو روافض کا مکروہ چہرہ دکھانے کیا کوشش کی۔ جہاں اہل سنت نے اس بے حرمتی کی مذمت کی وہیں قبر پرستوں نے موقع سے غنیمت اٹھاتے ہوئے اپنے حقیقی دکھ حجاز سے قبر پرستی کے خاتمے کے خلاف لکھنا اور بولنا شروع کر دیا۔ چونکہ قبر پرستوں کے پاس اپنے باطل دین پر کوئی دلیل تو ہے نہیں اس لیے وہ عقیدت واحترام کی آڑ لے کر یا اس طرح کے واقعات کو دلیل بنا کر قبر پرستی کو سہارا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ قبروں کی بے حرمتی کرنے اور سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے قبوں، مزارات اور پختہ وبلند قبروں کو زمین کے برابر کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس لیے ہم نبی کریم ﷺ کے فرامینِ مبارکہ سے واضح کریں گے کہ بلند اور پختہ قبروں کو زمین کے برابر کرنا، مزارات کو ختم کرنا، مجسموں اور تصاویر کو زائل کرنا نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف امت کی سنت ہے۔ اور قرونِ مفضلہ میں قبروں کو پختہ کرنے ان پر مزارات تعمیر کرنے اور ان پر میلے لگانے کا نام ونشان نہیں ملتا۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو یہود ونصاری کے اس فعل سے خبردار فرمایا۔

چنانچہ سیدنا جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو آپ کی آپ کی وفات سے پانچ دن پہلے فرماتے ہوئے سنا:

"أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ۔"

"خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔" [1]

حتی کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں بھی امت کو یہود ونصاری کے طریقے سے خبردار کیا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"لما نزل برسولِ اللهِ ﷺ، طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا؛ كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ- وَهُوَ كَذَلِكَ-: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى؛ اتخذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ. يحذِّرُ مَا صَنَعُوا۔"

"جب رسول اللہ ﷺ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو آپ اپنی چادر کو بار بار اپنے چہرہ مبارک پر ڈالتے، جب گھٹن محسوس فرماتے تو اسے اپنے چہرہ مبارک سے اتار دیتے، اسی حالت میں آپ نے فرمایا: یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں

---

[1] صحیح مسلم: 532

نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ آپ ﷺ امت کو یہود و نصاری کی کرتوت سے خبردار کررہے تھے۔'' [1]

اور یہود ونصاری کے اپنے انبیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان پر لعنت بھی کی جیسا کہ پہلی احادیث میں گزر چکا ہے اور ان کے لیے بددعا بھی کی کہ اللہ تعالی ان کو غارت کرے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔''

''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔'' [2]

چونکہ صالحین کی شان میں غلو کرنا اور ان کی قبروں کو پختہ کرنا، ان پر مزارات تعمیر کرنا اور ان پر میلے لگانا ہی شرک کی بنیاد ہے، جیسا کہ قرآن مجید اور (صحیح بخاری: 4920) میں نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے پانچ نیک بزرگوں کی مورتیاں بنا کر اپنی مجالس میں رکھیں حتی کہ ان کی پوجا شروع کردیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَأَصلُ عِبادَةِ الْأَصْنَامِ مِنَ المغَالَاةِ فِي الْقُبُورِ وَأَصحَابِهَا، وَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ بِتَسْوِيَةِ الْقُبُورِ وَطَمْسِهَا. وَالمغَالَاةُ فِي الْبَشَرِ حَرَامٌ۔''

''قبروں اور ان میں موجود لوگوں کے متعلق غلو کرنا ہی بت پرستی کی بنیاد ہے، اور نبی کریم ﷺ نے قبروں کو برابر اور زائل کرنے کا حکم دیا ہے، اور انسان کے متعلق غلو کرنا حرام ہے۔'' [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَقِصَّةُ الصَّالِحِينَ كَانَتْ مُبْتَدَأَ عِبَادَةِ قَوْمِ نُوحٍ هَذِهِ الْأَصْنَامِ، ثُمَّ تَبِعَهُمْ مَنْ بَعْدَهُمْ عَلَى ذَلِكَ۔''

''صالحین کا قصہ ہی قوم نوح علیہ السلام کا ان بتوں کی عبادت کی ابتدا تھا، پھر ان کے بعد آنے والوں نے اس میں ان کی پیروی کی۔'' [4]

اس لیے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بالتفصیل ان سب امور سے خبردار کیا جو شرک کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور ایسے تمام کام کرنا حرام کردیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر عمارت بنانے، ان پر بیٹھنے، ان پر کتبے لگانے اور ان کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمادیا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''نَهَى رَسُولُ اللهِ صلي الله عليه وسلم أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبرُ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ۔''

''رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔''

---

[1] صحيح البخاری: 435، صحيح مسلم: 531

[2] صحيح البخاری: 437، صحيح مسلم: 530

[3] البداية والنهاية: 703/10 ط المعرفة

[4] فتح الباري: 851/8

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”نُهِيَ عَنْ تَقْصِيصِ الْقُبُورِ۔“

”قبروں کو چونا گچ (پختہ) کرنے سے منع کیا گیا ہے۔“ [۱]

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تجصّص الْقُبُورُ، وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهَا، وَأَنْ توطأَ۔“

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے، ان پر لکھنے، ان پر عمارت بنانے، اور انہیں روندنے سے منع فرمایا ہے۔“ [۲]

اور سیدنا ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا تجلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ، وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا۔“

”قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو۔“ [۳]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إِنَّ تَسْوِيَةَ الْقُبُورِ مِنَ السُّنَّةِ، وَقَدْ رَفِعَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ؛ فَلَا تَشَبَّهُوا بِهِمَا۔“

”بے شک قبروں کو برابر کرنا سنت ہے، یہود و نصاریٰ نے ان کو بلند کیا، تم ان سے مشابہت نہ کرو۔“ [۴]

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا عَقْرَ فِي الْإِسْلَامِ۔“

”اسلام میں عقر (جانوروں کو قبروں، بتوں اور جاہلیت کی میلہ گاہوں پر ذبح کرنا) جائز نہیں ہے۔“ [۵]

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

”لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ۔“

”اللہ اس پر لعنت کرے جس شخص نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا۔“ [۶]

نبی کریم ﷺ نے شرک اور اس کی طرف لے جانے والے وسائل کے خاتمے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بعد میں نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے ابو الہیاج اسدی رحمہ اللہ کو بھیجا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ابو الہیاج رحمہ اللہ سے فرمایا:

”أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ، وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ۔“

”میں تمہیں ایسے کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے نبی کریم ﷺ نے بھیجا تھا کہ تم کسی مجسمے کو نہ چھوڑنا مگر اسے مٹا دینا

---

[۱] صحیح مسلم: 970

[۲] سنن الترمذی: 1052، سنن ابن ماجہ: 1563

[۳] صحیح مسلم: 972

[۴] المعجم الکبیر للطبرانی: 352/19

[۵] سنن ابو داود: 3222

[۶] صحیح مسلم: 1978

اور کسی بلند قبر کو نہ چھوڑنا مگر اسے برابر کر دینا۔“ [1]

اس سے معلوم ہوا قبوں اور مزارات کو ختم کرنا، اور پختہ اور بلند قبروں کو سنت کے مطابق کر دینا قبروں کی بے حرمتی نہیں بلکہ امت کے ساتھ احسان، اور اجر عظیم کا باعث ہے۔

یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ اگر روافض قبریں منہدم کریں تو وہ بے حرمتی ہوتی ہے اور آپ کریں تو سنت پر عمل کیسے ہوتا ہے؟ اس کا جواب پہلے نمبر پر تو یہ ہے کہ ہم مزارات ڈھانے اور قبروں کو سنت کے مطابق کرنے کی جو بات کرتے ہیں وہ ہماری اپنی اختراع نہیں بلکہ اس کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے دکھایا اور دوسروں سے بھی کروایا۔ دوسرے نمبر پر روافض نے جو کام کیا ہے وہ واضح بے حرمتی ہے، قبر کو کھودنا، اس میں آگ لگانا اور میت نکالنے کی کوشش کرنا یہ سب کام بے حرمتی پر مبنی ہیں، جبکہ اہل سنت جب اس سنت پر عمل کرتے ہیں وہ نہ تو قبروں کو کھود کر میتوں کی بے حرمتی کرتے ہیں اور نہ ہی قبروں میں آگ لگاتے ہیں بلکہ وہ تو طریق نبوی اور مقیاس شرعی کے مطابق صرف اس حصے کو ختم کرتے ہیں جو سنت رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہو۔ تیسرے نمبر پر اہل سنت جب قبروں کو سنت کے مطابق برابر کرتے ہیں تو بلا تمیز ہر اس قبر کو برابر کرتے ہیں جو سنت کے مخالف بنائی گئی ہے، جبکہ روافض صرف اہل السنہ بلکہ خصوصا ان کے اسلاف کی قبروں کی بے حرمتی کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں، نا کہ وہ اس سنت نبوی پر عمل کی نیت سے ایسا کرتے ہیں، کیونکہ ان کا تو سارا مذہب ہی قبر پرستی پر مبنی ہے، اگر وہ سنت پر عمل کرنے کے ایسا کرتے تو سب سے پہلے اپنے بنائے ہوئے مزارات و مشاہد منہدم کرتے جہاں دن رات غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔

کائنات میں سب اشرف قبر جس ہستی کی ہے وہ ہمارے پیارے رسول ﷺ ہیں، اور آپ ﷺ کی قبر مبارکہ کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے سکھلائے طریقے کے مطابق ہی بنایا، چونکہ انبیاء کرام جہاں فوت ہوں وہیں ان کا مدفن ہوتا ہے اس لیے آپ ﷺ کو حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن کیا گیا، اور آپ ﷺ کی قبر مبارکہ کو نہ تو پختہ کیا گیا اور نہ ہی اس پر کوئی مزار تعمیر کیا گیا۔ بلکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی قبر مبارکہ کو ظاہر نہ کرنے کا سبب بھی یہی بیان فرمایا کہ کہیں اسے بھی سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔ فرمایا:

”اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر کو بالکل ظاہر کر دیا جاتا مگر مجھے اندیشہ ہے کہ اسے بھی سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔“ [2]

اور نبی کریم ﷺ نے بھی دعا فرمائی تھی کہ

”اللَّهُمَّ لَا تجعلْ قَبرِي وَثَنًا، لَعَنَ اللهُ قَوْمًا اتخذُوا قبُورَ أَنْبِيائِهِمْ مَسَاجِدَ۔“

”اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا، اللہ اس قوم پر لعنت فرمائے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔“ [3]

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

”لَا تَتَّخِذُوا قَبرِي عِيدًا، وَلَا تجعَلُوا بيُوتَكُمْ قبُورًا، وَحَيثُما كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ؛ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبلُغُنِي۔“

”میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، اور اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، جہاں بھی تم ہو مجھ پر درود پڑھو، بے شک تمہارا درود مجھے

---

[1] صحیح مسلم:969

[2] صحیح البخاری:1330

[3] مسند احمد:7358

پہنچتا ہے۔" [1]

اگر نبی کریم ﷺ کی قبر مبارکہ پر میلہ لگانا، اور اس کی کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں تو کسی امتی کی قبر پر ایسے کام انجام دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے اللہ تعالی کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اسے ماریہ کہا جاتا تھا، آپ رضی اللہ عنہا نے اس میں جو تصاویر دیکھیں اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ - أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ؛ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ؛ أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ۔"

"یہ وہ لوگ ہیں جب ان میں کوئی نیک شخص فوت ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنادیتے، پھر اس میں یہ تصاویر بنادیتے، یہ لوگ اللہ تعالی کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔" [2]

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ، وَمَنْ يَتَّخِذُ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ۔"

"بے شک لوگوں میں بدترین لوگ وہ ہیں جن پر قیامت آئے گی اور وہ زندہ ہوں گے، اور وہ لوگ جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔" [3]

پس ان دلائل سے ثابت ہوا غیر شرعی طریقے سے بنی قبروں کو زمین کے برابر کرنا قبروں کی بے حرمتی نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ اور سلف امت کی سنت ہے۔ اور جب اللہ تعالی نے اہل حق کو اقتدار عطا فرمایا انہوں نے اس سنت پر عمل کیا اور قبروں کو سنت کے مطابق بنایا۔ اور شرک اور اس کہ طرف لے جانے والے تمام وسائل کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

جن لوگوں کی آمدن کا ذریعہ ہی قبریں ہیں وہ یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اہل توحید قبروں کی بے حرمتی کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کی گستاخی کرتے ہیں، جبکہ یہ کام تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔ فمن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور!

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین والحمد للہ رب العالمین.

[1] مسند احمد: 8804

[2] صحیح البخاری: 434، صحیح مسلم: 528

[3] مسند احمد: 3844

اہل بدعت کی کتب سے استفادے کا ضابطہ

ابو احمد محمد کلیم الدین یوسف

سلف صالحین رحمہم اللہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں ہر موضوع پر نہایت عمدہ، مفصل اور سیر حاصل بحث کی ہے، شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جو تشنہ رہ گیا ہو۔ جیسے ایک مخلص طبیب مریض کیلئے خیر خواہ ہوتا ہے اور اسے ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کی صحت کیلئے مضر ہوں، اور ان اشیاء کے استعمال کی ترغیب دیتا ہے جن میں اس کی تندرستی اور صحت وعافیت کا راز مضمر ہو، بالکل اسی طرح ایک مخلص عالم دین عوام الناس کیلئے طبیب کی طرح ہوتا ہے جو ان کے عقیدہ ومنہج کی صحت وسلامتی کے پیشِ نظر ان پگڈنڈیوں پر چلنے سے منع کرتا ہے جہاں دن میں بھی دھندلا پن ہو، اور پائے ثبات میں لغزش پیدا ہونے کا خطرہ ہو، اور ان کو شاہراہِ عام پر چلنے کی تلقین کرتا ہے جہاں کی رات بھی دن کے مانند ہے۔

چنانچہ اہل بدعت کی کتابوں میں پائے جانے والے افکار انہی دھندلی پگڈنڈیوں کے مانند ہیں جہاں قدم ڈگمگانے کا پورا خطرہ ہوتا، اگرچہ اس دھندلے پن میں کچھ نظر آ جائے لیکن لغزش کا خطرہ ہنوز برقرار رہتا ہے، جبکہ اہل سنت اور سلف صالحین کی کتابیں اس شاہراہِ عام کی مانند ہیں جہاں اندھیرا تو دور کی بات، سنت کی ضیاء پاش کرنوں سے وہاں کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہوتی ہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدعتیوں سے علم حاصل کرنے میں دو خرابیاں ہیں:

① ”اغترارہ بنفسه فيحسب أنه على حق۔“

”وہ بدعتی عجبِ نفس میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ سمجھے گا کہ وہ حق پر ہے۔“

② ”اغترار الناس به.“

”اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ لوگ اس سے دھوکے میں پڑ جائیں گے۔“ [1]

یعنی جب عام لوگ دیکھیں گے کہ علماء ان بدعتیوں سے علم حاصل کر رہے تو وہ اس دھوکے میں پڑ جائیں گے کہ یہ بدعتی حق پر ہیں، کیوں کہ اگر وہ باطل پر ہوتے تو یہ حق پرست علماء ان سے علم حاصل کیوں کرتے یا ان سے علم حاصل کرنے کی تلقین کیوں کرتے؟ کیونکہ عوام کو حق وباطل کے درمیان تمیز کم ہوتی ہے، وہ اپنے علماء کی تقریر وتحریر اور ان کے تعامل وتصرف سے ہی سیکھتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہود ونصاری کی کتابوں کو پڑھنے سے منع کیا ہے، حالاں کہ ان کی کتابوں پر ہمارا اجمالی ایمان ہے، اور یقیناً وہ کتابیں وحی الٰہی سے خالی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو پڑھنے سے روکا بلکہ ناراضگی کا اظہار بھی کیا، کیوں کہ اس میں حق کے ساتھ باطل کی بھی آمیزش ہے، اور ہمارے پاس ایسی تعلیمات موجود ہیں جو صرف حق ہیں۔

چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کی کتاب کا بعض نسخہ لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے، یہ دیکھ کر نبی ﷺ غصہ ہو گئے اور فرمایا:

---

[1] شرح حلية طالب علم: ص 138

”أمتهو كون يا ابن الخطاب؟! والذي نفسي بيده؛ لقد جئتكم بها بيضاء نقية، لا تسألوهم عن شيء فيخبروكم بحق فتكذبوا به أو بباطل فتصدقوا به، والذي نفسي بيده؛ لو أنّ موسى عليه السلام كان حياً ما وسعه إلا أن يتّبعني۔“ [1]

”اے عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک تم متردد ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یقیناً میں تمھارے پاس بالکل صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں، یہود و نصاری سے کچھ نہ پوچھا کرو، ہوسکتا ہے وہ تمھیں حق بتائیں اور تم انہیں جھٹلا دو، یا جھوٹ بتائیں تو تم انہیں سچ مان لو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آج موسی علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی مجھ پر ہی ایمان لانا پڑتا۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وعمر انتفع بهذا حتى أنه لما فتحت الإسكندرية وجد فيها كتب كثيرة من كتب الروم فكتبوا فيها إلى عمر فأمر بها أن تحرق وقال: حسبنا كتاب الله۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت سے عمر رضی اللہ عنہ نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ ان کے دورِ خلافت میں جب اسکندریہ فتح ہوا تو وہاں اہل روم کی بہت سی کتابیں پائی گئیں، عمر رضی اللہ عنہ سے ان کتابوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کتابوں کا کیا کیا جائے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام کتابوں کو جلانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔ [2]

امام مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا کہ:

”استعرت كتابا فيه أشياء رديئة، ترى أن أخرقه أو أحرقه؟ قال: نعم، قال المروذي: قال أبو عبد الله: يضعون البدع في كتبهم، إنما أحذِّر عنها أشد التحذير۔“

”میں نے ایک کتاب عاریتاً لی ہے، جس میں کچھ شریعت مخالف چیزیں ہیں، کیا میں اس کتاب کو پھاڑ دوں یا جلا دوں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں بالکل اسے جلا دو یا پھاڑ دو، کیوں کہ اہل بدعت اپنی کتابوں میں بدعت داخل کر دیتے ہیں، میں اس قسم کی کتابوں سے سختی سے منع کرتا ہوں۔“ [3]

مفضل بن مہلہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لو كان صاحب البدعة إذا جلست إليه يحدثك ببدعته حذرته، وفررت منه، ولكنه يحدثك بأحاديث السنة في بدو مجلسه، ثم يدخل عليك بدعته، فلعلها تلزم قلبك، فمتى تخرج من قلبك۔“

”کسی بھی بدعتی کی مجلس میں بیٹھو گے تو وہ شروع سے ہی اپنی بدعت کو بیان نہیں کرے گا، کیوں کہ اگر وہ بدعت سے ہی مجلس کی شروعات کرے گا تو تم ان کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ گے، اس لئے وہ مجلس کی ابتدا ان احادیث سے کرتا ہے جو عظمتِ سنت پر دلالت کرتی ہوں، پھر اس کے بعد دوران گفتگو اپنی بدعات کو قدرے چالاکی سے پیش کرے گا، اگر وہ بدعت سنت

[1] مسند أحمد: 3/387، اس حدیث کو امام البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ دیکھیے: إرواء الغليل: 6/340-338

[2] مجموع الفتاوى: (17/41)

[3] هداية الأريب الأمجد: ص 38

کے نام پر تمہارے دل میں جگہ بنالے تو پھر کیسے باہر نکلے گی؟" [1]

محترم قارئین! اگر آپ غور فرمائیں تو مفضل بن مہلہل رحمہ اللہ کا یہ اثر اہل بدعت کی کتابوں پر پورے طور سے منطبق ہوتی ہے، یہ حضرات بھی اپنی کتابوں کی شروعات کتاب وسنت کے دفاع سے ہی شروع کرتے ہیں، لیکن آگے چل کر ایسا گل کھلاتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

مثال کے طور پر ایک کتاب "خلافت وملوکیت" کو لے لیں، شروع کے صفحات قرآنی آیات اور اس کے ترجمہ سے مزین ہیں، احادیثوں کا انبار ہے، لیکن بعد میں جا کر جو انہوں نے جو گل کھلایا ہے وہ کسی صاحب عقل وخرد پر پوشیدہ نہیں ہے، خاص طور سے جنہوں نے ان کی اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن هجر أهل البدع: ترك النظر في كتبهم خوفا من الفتنة بها، أو ترويجها بين الناس فالابتعاد عن مواطن الضلال واجب لقوله صَلىَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، في الدجال: ((من سمع به فلينأ عنه فوالله إن الرجل ليأتيه وهو يحسب أنه مؤمن فيتبعه مما))، لكن إن كان الغرض من النظر في كتبهم معرفة بدعتهم للرد عليها فلا بأس بذلك لمن كان عنده من العقيدة الصحيحة ما يتحصن به وكان قادرا على الرد عليهم، بل ربما كان واجبا؛ لأن رد البدعة واجب وما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب۔"

"اہل بدعت کی کتابوں سے دور رہنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کتاب کے مطالعہ کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائے، اور بدعتیوں کی کتابوں کی لوگوں کے درمیان ترویج واشاعت بھی نہ کی جائے۔ ان کتابوں میں گمراہی ہوتی اور گمراہی کی جگہوں سے دور رہنا واجب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا کہ جو دجال کے آنے کی خبر سنے وہ اس سے دور رہے، اس کے قریب نہ جائے، اللہ کی قسم ایک آدمی اپنے آپ کو مؤمن سمجھے گا اور اس کے پاس مقابلہ کرنے کے لیے جائے گا، لیکن دجال اس کو اپنے شبہات میں ایسا الجھائے گا کہ وہ اسی کا پیروکار بن کر رہ جائے گا۔ (اس لئے جن کتابوں میں بدعت وضلالت ہے اس سے دور رہنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اپنے آپ کو بڑا دقّاق سمجھ کر ان کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کرے اور کہے کہ میں تو خذ ما صفا و دع ما کدر [2] پر عمل کروں گا، اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ اس فکر سے ایسا متاثر ہوا کہ خود اس کو بھی پتہ نہیں چلا۔) لیکن اگر اہل بدعت پر رد کرنے کے لیے ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو ان پر رد کرنے کے لیے ان کی کتابوں کو پڑھ سکتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ اہل بدعت پر رد کرنے کے لیے ان کی کتابوں کو پڑھنے کی اجازت صرف اسی کو ہوگی جو علمی طور پر پختہ ہو اور عقیدہ صحیحہ کا علم رکھتا ہو، اور بدعتیوں پر رد کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو، بصورتِ دیگر ان کی کتابوں کو پڑھنا جائز نہیں۔" [3]

قارئین کرام! آپ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے کلام میں غور فرمائیں، انہوں نے اہل بدعت کی کتاب کو پڑھنے کی اجازت ان کے بدعات پر رد کرنے کی غرض سے دی ہے، رہی بات ان کی کتابوں سے استفادہ کرنے کی تو علماء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ایسے بہت سے اقوال علماء

---

[1] الإبانة لابن بطة، رقم الأثر: (394)

[2] صاف چیز لے لو، اور گدلی چیز رہنے دو۔

[3] مجموع فتاوى ورسائل الشيخ محمد بن صالح العثيمين رحمه الله (5/89)، بتصرف يسير۔ بریکٹ کے درمیان کا کلام راقم کی اپنی توضیح ہے۔

سلف صالحین سے منقول ہیں، بخوفِ طوالت انہیں ترک کر رہا ہوں، کیوں کہ عقل مند را اشارہ کافی است۔

معزز قارئین! اللہ رب العالمین کی بہت مہربانی ہے کہ اس نے شریعت کے کسی مسئلہ میں غموض و پیچیدگی نہیں رکھی، اسلام کا ہر مسئلہ دن چڑھے سورج کی طرح روشن وعیاں ہے، نیز مسائل شریعت کے مابین کسی قسم کا کوئی تضاد بھی نہیں پایا جاتا، کیوں کہ تمام مسائل کتاب وسنت پر مبنی ہے جو کہ من جانب اللہ ہیں، اور پیغام الٰہی میں تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ سلف صالحین کی تعلیمات انہی مذکورہ دونوں مصادر پر مبنی ہیں اس لئے ان کے یہاں بھی الفاظ وتعبیر کا اختلاف تو ممکن ہے لیکن تضاد بیانی ممکن نہیں۔

اہل بدعت کی کتابوں سے استفادہ کے سلسلے میں سلف صالحین کے یہاں کچھ ضابطے ہیں۔

اولا: اگر اہل بدعت کی کتابوں میں صرف ضلالت وگمراہی، بدعات وخرافات، بدعقیدگی، ہوا پرستی، نصوصِ شرعیہ اور اہل سنت والجماعت کے اصول کی مخالفت ہو تو سلف صالحین ایسی کتابوں سے استفادہ کرنے سے منع کرتے ہیں، اور اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے، بلکہ بعض سلف نے ان کی کتابوں کو پھاڑنے یا جلانے کا بھی حکم دیا ہے، تاکہ لوگ ان مؤلفین کے افکار باطلہ سے متاثر ہونے سے محفوظ رہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وكل هذه الكتب المتضمنة لمخالفة الكتاب والسنّة غير مأذون فيها، بل مأذون في محقها وإتلافها، وما على الأمة أضر منها، وقد حرّق الصحابة - رضي الله عنهم - جميع المصاحف المخالفة لمصحف عثمان، لما خافوا على الأمة من الاختلاف، فكيف لو رأوا أكثر هذه الكتب التي أوقعت الخلاف والتفرق بين الأمة؟“

”جو کتابیں سنت کے مخالف ہوں ان تمام کو برباد کر دیا جائے، کیوں کہ ملت اسلامیہ کیلئے ان کتابوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں، اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان تمام مصاحف کو جلا دیا تھا جو مصحف عثمانی سے مختلف تھا تاکہ امت اختلاف کا شکار نہ ہو جائے، اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کتابوں کو دیکھ لیتے جو امت کے اتحاد واتفاق کے شیرازہ کو بکھیر رہی ہے اور ان کے درمیان اختلاف وانتشار کا سبب بن رہی ہے تو کیا کرتے؟“

محمد بن زید المستملی کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں اہل رائے کی کتابوں سے نقل کر سکتا ہوں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہیں، ایسا نہ کرو، اس شخص نے کہا کہ ابن مبارک رحمہ اللہ تو ایسا کرتے ہیں، تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن مبارک آسمان سے نہیں اترے ہیں، ہمیں صرف اوپر کا علم لینے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی جو عرش والے نے نازل کیا ہے کتاب وسنت کی شکل میں۔ معلوم یہ ہوا کہ جھوٹ اور بدعات پر مشتمل کتابوں کو برباد کرنا یا جلا دینا واجب ہے، کیوں کہ جتنا نقصان امت محمدیہ کو اہل بدعت کی کتابوں سے ہوا ہے اتنا نقصان تو آلات لہو ولعب اور موسیقی سے بھی نہیں ہوا ہے۔ [1]

ثانیا: اب رہی بات کہ چند کتابیں ایسی ہیں جو علماء کے نزدیک معتمد علیہ کتابوں میں سے ہیں، لیکن ان کے مؤلفین کے یہاں کچھ بدعت پائی جاتی ہیں، ایسی کتابوں سے استفادہ کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص علومِ شرعیہ کے زیور سے آراستہ ہو، حق وباطل اور ہدایت وگمراہی کے درمیان تفریق کرنے کا ملکہ رکھتا ہو، عقیدہ صحیحہ کے ساتھ فرق باطلہ کے گمراہ کن عقائد کی جانکاری ہو، اگر ایسے شخص کو مذکورہ کتابوں سے استفادہ کی

[1] الطرق الحكمية في السياسة الشرعية: (2/711)

ضرورت پیش آجائے، جیسے اس میں سے کچھ حق باتیں نقل کرنا ہو، یا پھر اس کتاب پر رد کرنا ہو، اور اس میں موجود بدعات وخرافات کو طشت از بام کرنا مقصود ہو، تو مذکورہ صفات کے حاملین بلاشبہ ان کتابوں کو پڑھ سکتے ہیں۔لیکن اگر کسی کے پاس حق وباطل کے مابین تمییز کرنے کی اہلیت نہ ہو تو اس کیلئے ان کتابوں کا مطالعہ صحیح نہیں ہے، اس کے لئے ان کتابوں سے دوری میں ہی عافیت ہے۔

قارئین کرام! یہاں ایک بات سمجھنا از حد ضروری ہے کہ ہم ان علماء کی کتابوں سے استفادہ کرنے کی بات کررہے ہیں جنہوں نے شرعی علوم وفنون میں سے کسی فن کی خدمت کی ہو اور اس میں مہارت رکھتے ہوں، لیکن عقیدے کے بعض مسائل میں ان سے لغزش ہوئی ہو، جیسے امام سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ......سیوطی رحمہ اللہ علوم حدیث کے ماہرین میں سے ہیں، اور انہوں نے باضابطہ اس فن کی خدمت کی ہے۔اسی طرح سے وہ تمام علماء جنہوں نے علوم شرعیہ کی خدمت کی ہو لیکن عقیدے کے بعض مسائل میں ان سے خطاء ہوئی ہو ان سے مذکورہ شروط وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف اسی فن میں ان کی کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جس میں وہ مہارت رکھتے ہوں۔

نیز یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اگر یہی فوائد جو ان اہل علم کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں دیگر صحیح العقیدہ اہل علم کے یہاں پائے گئے تو پھر ان کی کتابوں سے استفادہ کرنا درست نہیں ہوگا جن کی یہاں عقیدے میں لغزش پائی جاتی ہے۔

البتہ جو کسی فن کا ماہر نہ ہو، بلکہ اسلام میں انہوں نے فتنے برپا کئے ہوں تو ان کی کتابوں سے بالکلیہ استفادہ نہیں کرسکتے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ اہل علم میں سے کوئی بھی ذوالخویصرۃ التمیمی، عبداللہ بن سبا، معبد الجہنی، واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، بشر المریسی، ابو منصور ماتریدی، ابن عربی وغیرہم سے کچھ بھی نقل نہیں کرتے، حالانکہ ان میں سے اکثر فرقہ ضالہ وباطلہ کے بانی تھے، فصاحت وبلاغت اور علم کلام کے ماہر تھے، دین اسلام کے نام پر ہی اپنے مقالات وتالیفات نشر کرتے تھے اور کتاب وسنت کا دم بھرتے تھے، لیکن اہل علم نے ان کی طرف التفات ہی نہیں کیا۔

اسی طرح آج کے زمانے میں بھی بعض حضرات نے اسلام کے نام اپنے مسمومہ افکار ونظریات کو اسلام کا جامہ پہنایا، اور کتاب وسنت کی خدمت کے نام پر ان کی نشر واشاعت کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انکار سنت کا شجر زقوم پھلدار ہونے لگا، خوارج ومعتزلہ اور اشاعرہ وصوفیہ کے عقائد کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، تکفیر کا بازار پھر سے گرم ہوا، اصحاب رسول ﷺ کی صداقت وثقاہت کو مشکوک ہوتی نظر آنے لگی۔

محترم قارئین! بعض لوگ ایسے ہیں جو آج کے زمانے کے ان لوگوں کو امام نووی، سیوطی، ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ پر قیاس کرتے ہیں جو کسی بھی اعتبار سے درست نہیں، بلکہ اس قیاس پر ہمارے یہاں کا ایک مقولہ فٹ آتا ہے: کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی، کیوں کہ جس طرح امام نووی، ابن حجر اور سیوطی رحمہم اللہ وغیرہ نے علم حدیث کی خدمت کی ہے اس سے کہیں زیادہ آج کے زمانے کے علم کے دعویداروں نے سنت کے تعلق سے لوگوں کو بدظن کیا ہے، اور تشکیک پیدا کی ہے۔

قارئین کرام! ایسے اشخاص کی تالیفات کے سلسلے میں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے حق لے لو اور جو باطل ہے اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ ان کے یہاں جو کچھ بظاہر حق نظر بھی آتا ہے اس پر باطل کا گرہن لگا ہوتا ہے، نیز ان کے یہاں ملاوٹ کے ساتھ جو حق موجود ہے وہی حق خالص صورت میں صحیح العقیدہ علماء کے پاس بدرجہ اکمل واتم موجود ہے، تو پھر ہمیں ان کے یہاں سے زہر آلودہ حق لینے کے بجائے صاف وشفاف حق سلفی علماء کے پاس سے لینا چاہئے۔

اس لئے مذکورہ اشخاص کے شبہات وتلبیسات سے مسلمانوں کے عقیدہ، افکار اور منہج کی حفاظت کی خاطر ان کی کتابوں سے بالکلیہ تحذیر

کرنا، اوران سے دور رہنے کی تلقین کرنا نہایت ضروری ہے۔

ذیل میں ایک مثال سے سمجھیں کہ ایک بدعتی اپنی بدعت کو کس قدر فصاحت وبلاغت سے بین السطور داخل کر دیتا ہے کہ قاری کو اس کی ذراسی بھنک تک نہیں لگتی۔

امام ابن عثیمین ؒ فرماتے ہیں کہ:

"الكشاف لأبي القاسم الزمخشري كتاب معروف متداول، وهو جيد في اللغة والبلاغة، لكنه على أصول المعتزلة مثل ما قال الشيخ، ولا تكاد تعرف كلامه في ذلك إلا إذا كان عندك علم بمذهب المعتزلة ومذهب أهل السنة والجماعة؛ لأنه رجل جيد وبليغ، يدخل عليك الشيء وأنت لا تشعر به، حتى كأنك تظن أن هذا هو الكلام الصحيح السداد، لكن فيه بلاء، فمثلا: قال: ﴿فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ﴾ (آل عمران:185)، قال أي: فوز أعظم من دخول الجنة والنجاة من النار؟! وهذا كلام طيب. لكنه يريد نفي رؤية الله عز وجل؛ لأن رؤية الله عز وجل أعلى شيء، كما قال تعالى: ﴿لِّلَّذِينَ أَحۡسَنُوا الۡحُسۡنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ (يونس: 26)، فأنت إذا قرأت هذا الكلام فستجده صحيحا، فليس هناك فوز أعظم من دخول الجنة والنجاة من النار، ولن تدري أن هذا الرجل يشير إلى أنه لا رؤية، وأن الله لا يرى۔"

"زمخشری فصیح اللسان اور بلیغ الکلام ہیں، اپنی بدعقیدگی کو ایسے خفیہ طور پر پیش کرتے ہیں کہ کسی کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا، بلکہ سمجھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہی بات درست اور عین صواب ہے، حالانکہ اس کے اندر گمراہی کا آتش فشاں چھپا ہوتا ہے، مثال کے طور پر اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((فمن زحزح عن النار وأدخل الجنة فقد فاز)) "جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا یقیناوہ کامیاب ہوگیا۔" زمخشری اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ: جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہوسکتی ہے؟ یعنی سب سے عظیم کامیابی جنت کا حصول اور جہنم سے نجات ہے۔ زمخشری کا یہ کلام بہت عمدہ ہے، لیکن اس عمدہ کلام کے ذریعہ سے وہ دراصل دیدارِ الٰہی کا انکار کرنا چاہتے ہیں، کیوں جنت سے بھی عظیم نعمت اور کامیابی اللہ کا دیدار ہے، اور معتزلہ اللہ کے دیدار کو مانتے ہی نہیں ہیں۔" [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

"ومن هؤلاء من يكون حسن العبارة فصيحا ويدس البدع في كلامه وأكثر الناس لا يعلمون كصاحب الكشاف ونحوه حتى إنه يروج على خلق كثير ممن لا يعتقد الباطل من تفاسيرهم الباطلة ما شاء الله۔"

"اہل بدعت میں سے بعض لوگ فصاحت وبلاغت میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، چنانچہ اپنے کلام میں بدعت کی آمیزش اس

[1] شرح مقدمة التفسير لشيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله: (1/101)

انداز سے کرتے ہیں کے اکثر لوگ اس کا احساس ہی نہیں کر پاتے، جیسے زمخشری وغیرہ۔'' [1]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض نوجوانوں کا تعامل دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے، جہاں کوئی فصیح اللسان، بلیغ الکلام دیکھتے ہیں ان کی باتوں کو سننے لگتے ہیں اوران سے متاثر ہونے لگتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں، سلف اہل بدعت کی مجلس میں جانے سے روکتے تھے، بلکہ اس مسئلہ میں سلف بہت سختی کیا کرتے تھے، اوران کی یہ سختی مجھے بہت پسند ہے، اورسب سے زیادہ تعجب تو اس بات میں ہیں کہ وہ خود اپنے آپ پر بدعت سے خوف کھاتے تھے۔'' [2]

بعض حضرات ''خذ ما صفا و دع ما کدر'' پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، یعنی ان کتابوں میں جو اچھی باتیں ہیں انہیں لےلو اور جو باتیں مخالف شریعت ہیں انہیں چھوڑ دو۔محترم قارئین: عوام الناس یا نچلے درجہ کے طالب کو ایسا مشورہ دینا بالکل خطرہ سے خالی نہیں، کیوں کہ ایسے لوگوں کے پاس تو حق وباطل کے مابین تمیز کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی تو اس قاعدہ پر عمل کیسے کریں گے؟

مثال کے طور پر یوں سمجھ لیں کہ مذکورہ مشورہ دینے والے نے سونے کی دکان کھول رکھی ہے جس میں اصلی سونا، جعلی سونا اور تھوڑے سے پیتل کا کاروبار چلاتے ہیں، بس مشکل یہ ہے کہ وہ دونوں قسم کے سونا اور پیتل کو ایک ساتھ ملا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں، اب لوگ اسے سونا ہی سمجھ کر اس کا بھاؤ کرتے ہیں، کوئی کم علم ان پر جب اعتراض کرتا ہے کہ بھائی ایسا لگ رہا ہے کہ اس میں ملاوٹ ہے، تو یہ طالبِ علم کہتے ہیں کہ بھائی جو اصلی سونا ہے وہ لے لو اور جو نقلی سونا یا پیتل ہے اسے چھوڑ دو، اب بیچارا خریدار اس شش وپنج میں مبتلا ہے کہ مجھے جب اصلی سونے کی پرکھ نہیں تو میں جعلی سونا اور پیتل کی پہچان کیسے کروں؟ صفا وکدر کا نعرہ لگا کر سلفیوں کو اہل بدعت کی کتاب پڑھنے کی ترغیب دینا بالکل ویسے ہی جیسے کوئی شہد میں زہر ملا کردے اور کہے کہ اللہ رب العالمین نے شہد میں شفا رکھی ہے، تم کو شہد سے مطلب ہونا چاہیے زہر سے نہیں۔

محترم قارئین! آخر وہ کون سا ایسا موضوع جس پر سلف نے اور منہجِ سلف کے پیروکاروں نے سیر حاصل بحث نہ کی ہو کہ ہمیں ایک خارجی ومعتزلی فکر کے حامل سے اس کو سمجھنے کی ضرورت پڑ گئی؟ قارئین کرام! نبی ﷺ نے ایسے فتنے کی پیشن گوئی کی ہے جس کا ظہور ان دعاۃ کی شکل میں ہوگا جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے، وہ ہم میں سے ہی ہوں گے اور ہماری زبان ہی بولیں گے، اپنی باتوں کو اسلام کے نام پر ہی پیش کریں گے، ان کی باتیں اوپر سے بڑی سنہری ہوں گی لیکن اندر سے ہلاکت وگمراہی کا ذخیرہ ہوں گی، جس طرح راکھ اوپر سے ٹھنڈی ہوتی ہے لیکن اس کے اندر چھپی ہوئی چنگاری بڑا دھماکا کرسکتی ہے۔

سلف صالحین، ائمہ دین، اور فقہاء صالحین سے محبت کرنے والے غیرت مند مسلمان بھائیو! منہجِ سلف کو خود ساختہ افکار کے حاملین کے سپرد کرنے سے بچیں، اور کسی کی بھی بات قبول کرنے سے قبل دیکھیں کہ وہ منہجِ سلف صالحین کے مطابق اپنی بات پیش کررہا ہے یا اس سے ہٹ کر۔

---

[1] مجموع الفتاوی:13/358

[2] https://ia800209.us.archive.org/28/items/TaamolMaaMobtadie25/taamol%20maa%20mobtadie%20%2815%29.mp3

مرتد کی سزا، جدیدیت و اجماعِ امت کے تناظر میں

حافظ محمد طاہر بن محمد

بسم اللہ و الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ.....أما بعد!

گزشتہ صدی سے مغربی استعمار و مرعوبیت کے زیرِ سایہ ''جدیدیت'' کے نام پر ایک نیا طرزِ فکر ظاہر ہوا ہے، جو اسلام کے بنیادی عقائد و احکامات کی حفاظت کی بجائے معذرت خواہانہ انداز اپنائے ہوئے ہے، اس طرزِ فکر کے حاملین اسلام کی ہر وہ قدر جو نام نہاد مغربی اصول وضوابط سے مغایرت رکھتی ہو یا مجموعی طور پر کفار کے آزادیٔ فکر و آوارگیٔ نظر سے میل نہ کھاتی ہو یا مستشرقین و مغربی مفکرین کے سطحی عقلی پیمانے پر پورا نہ اتر رہی ہو تو اس کی تاویل یا ابطال کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں، اس مقصد کے لیے وہ کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں، انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس مسئلے کا تعلق شعائرِ اسلام سے ہو یا پھر وہ زمانۂ نبوی ﷺ و عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بالتواتر متفقہ طور پر چلا آ رہا ہو، قرآنی آیات کی من مانی تشریح ہو یا انکارِ حدیث غرضیکہ ہر باطل کام کر گزرتے ہیں، ان کی اس ساری کاوش و جستجو کا مقصد اہلِ مغرب کفار کو خوش کرنا اور ان کے عتاب و قہر سے خلاصی پانا ہے حالانکہ وہ اس بات سے غافل ہیں کہ کفار محض ایسے اقدامات سے ہرگز راضی نہیں ہوتے، ان کی خوشنودی تو اس میں ہے کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ کر انہی کافروں سے جاملیں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَن تَرْضٰى عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

اور یہودی و عیسائی آپ سے (اس وقت تک) ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کر لیں۔'' [1]

اور فرمایا:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾

''بہت سے اہلِ کتاب چاہتے ہیں کاش! وہ تمھیں تمھارے ایمان کے بعد پھر کافر بنا دیں۔'' [2]

اب چونکہ اہلِ مغرب کفار کی طرف سے محلِ اعتراض امور میں اسلامی ''سزائیں اور حدود و تعزیرات'' سرِ فہرست ہیں، تو مفکرینِ جدیدیت بھی انہیں تختۂ مشق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ ذکر ہوا کہ ان کے یہاں معیار ہی یہ ہے کہ جو چیز غیر مسلموں کی طرف سے قابلِ اعتراض نظر آئے، اپنی نااہلی و کج فہمی کی بنا پر معقول جواب نہ بن پائے تو اس کا سرے سے ہی انکار کر دیا جائے، اور یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ اس کا ہمارے دین سے تعلق ہی نہیں۔

اسلامی سزاؤں میں سے ایک اہم سزا مرتد کے حوالے سے ہے کہ جو مسلمان، اسلام چھوڑ دے تو اس کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ

---

[1] (سورہ البقرۃ:120)

[2] (سورہ البقرۃ:109)

دوبارہ اسلام قبول کر لے وگرنہ اسے بطورِ سزا قتل کر دیا جائے گا، یہاں یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ کسی بھی حد یا سزا کو ذکر کرتے ہوئے جب اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل، چوری کی حد ہاتھ کاٹنا، کنوارے زانی کو کوڑے لگانا یا شادی شدہ زانی کو رجم کرنا وغیرہ ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کا نفاذ بلا حدود و قیود عمل میں آتا ہے بلکہ حدود اور سزاؤں کے نفاذ کے مکمل ضوابط و شرائط ہیں، جن میں سے کچھ کا تعلق مرتکبِ جرم یا ثبوتِ جرم کے ساتھ ہے اور کچھ کا تعلق ان کے نافذ کرنے والے سے ہوتا ہے، جیسا کہ معروف اہل حدیث عالم ومفسر مولانا عبدالرحمن کیلانی ﷫ فرماتے ہیں:

> ’’قتل کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انفرادی طور پر کسی شخص کو کبھی بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اٹھ کر کسی کو قتل کر دے، الا یہ کہ کوئی ڈاکو وغیرہ اس پر حملہ آور ہو اور وہ اپنی مدافعت کرے جس میں ڈاکو مارا جائے۔ حتیٰ کہ انسان خودکشی بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی اپنی جان کا بھی وہ خود مالک نہیں ہے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے بلکہ خودکشی بھی ایسا ہی جرم ہے جیسے کسی دوسرے شخص کو قتل کرنا۔ اسی طرح اپنی اولاد کو قتل کرنا بھی، خواہ اس کی وجہ کوئی بھی ہو، جرم عظیم ہے۔ قصاص لینا حکومت کے واسطہ ہی سے ہوتا ہے خواہ یہ قصاص جان کا ہو یا جوارح کا۔ بہرصورت یہ مقدمہ عدالت میں پیش کیا جائے گا اور قتل بالحق ہمیشہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلامی حکومت سے متعلق ہوتا ہے اور اس کی پانچ صورتیں ہیں۔ (۱) اسلام کی راہ میں مزاحمت کرنے والوں سے جہاد کی صورت میں ہوتا ہے، (۲) اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا قتل، (۳) قصاص کی صورت میں، (۴) شادی شدہ مرد یا عورت اگر زنا کریں تو رجم کی صورت میں ان کو مار دیا جائے گا، (۵) مرتد کا قتل، اور سب قسم کے قتل حکومت سے متعلق ہیں۔ انفرادی طور پر کوئی شخص دوسرے کو قتل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔‘‘ [۱]

اب چونکہ مرتد کی یہ سزا بھی نام نہاد جدیدیت کے لیے مشکلات پیدا کر دیتی ہے تو متجددین میں سے کسی نے تو اس کا سرے سے انکار ہی کر دیا جیسا کہ معروف منکرِ حدیث غلام احمد پرویز (1985ء) نے لکھا ہے:

> ’’قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اسلام کے بعد کفر اختیار کر لینا کوئی جرم نہیں، ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ مسلمان رہے یا اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کر لے، اس لیے جب یہ چیز جرم ہی نہیں تو سزا کیسی؟ بنا بریں بات یوں ٹھہری کہ قرآن نہ تو ارتداد کو جرم قرار دیتا ہے اور (اس لیے) نہ اس کی سزا تجویز کرتا ہے اس کے برعکس وہ کہتا ہے جس کا جی چاہے اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کر لے۔‘‘ [۲]

اور جن مفکرین سے کوئی دوسری بات نہ بن پڑی تو انہوں نے اسے سزا تو مان لیا لیکن اپنی طرف سے ہی اسے زمانۂ نبوی کے ساتھ خاص کر دیا، چنانچہ جاوید غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ’’رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تو بیشک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا، جن میں آپ کی بعثت ہوئی۔‘‘ [۳]

بعد ازاں جناب غامدی صاحب نے اس عبارت کو یوں کر دیا:

---

[۱] (تیسیر القرآن: 2/581)

[۲] (قتلِ مرتد از غلام احمد پرویز: 21، ادارہ طلوع اسلام لاہور)

[۳] (برھان، ص: 140، طبع چہارم)

’’مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا، جن پر آپ نے براہ راست اتمام حجت کیا۔‘‘ [1]

اس سے بھی بڑی بدبختی کی بات یہ ہے کہ بعض متجددین نے مسلمانوں کے اس اجماعی مسئلے کو یہودیت کا اثر قرار دیا، جیسا کہ طہ جابر العلوانی، نے اس سزا کا انکار کرتے ہوئے لکھا ہے:

(لا إکراہ فی الدین، ص: 63، 81)

نعوذ باللہ......! کسی شخص کے لیے اس سے بڑھ کر شقاوت کیا ہوگی کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر صدیوں تک کے مسلمان علماء وفقہاء کو یہودیت سے متاثر قرار دے دے؟؟؟

ہم یہاں طوالت موضوع کی بنا پر قرآنی وحدیثی دلائل اور ان سے وجوہِ استدلال کی بحث سے صرفِ نظر و عدمِ تعرض کرتے ہوئے، صرف علماء امت کی ان تصریحات پر اکتفاء کریں گے جن میں مرتد کی سزا پر اتفاق واجماع نقل کیا گیا ہے، کیوں عقل ونقل سے یہ بات ثابت ہے کہ جب کوئی مسئلہ پوری امت کے ہاں متفقہ طور پر یعنی بالاجماع ثابت شدہ ہو تو اس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ یا بے اعتباری کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ذیل میں مختلف صدیوں وقرون کے علماء کی تصریحات مذکور ہیں، جنہوں نے مرتد کے واجب القتل ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

① ۔ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (198ھ) فرماتے ہیں:

﴿فَلَمْ يَخْتَلِفِ الْمُسْلِمُونَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يُفَادَى بِمُرْتَدٍّ بَعْدَ إِيمَانِهِ وَلَا يُمَنَّ عَلَيْهِ وَلَا تُؤْخَذَ مِنْهُ فِدْيَةٌ وَلَا يُتْرَكُ بِحَالٍ حَتَّى يُسْلِمَ أَوْ يُقْتَلَ۔﴾

’’مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں کہ ایمان کے بعد مرتد ہو جانے والے کو نہ تو بدلے میں چھوڑا جائے گا، نہ بطورِ احسان رہا کیا جائے گا، اور نہ ہی اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا، یہاں تک کہ دوبارہ مسلمان ہو جائے یا پھر قتل کر دیا جائے گا۔‘‘ [2]

② ۔ امام ابوعیسی الترمذی رحمہ اللہ (279ھ) حدیث ((من بدل دینه فاقتلوه)) کے بعد فرماتے ہیں:

”والعمل علی هذا عند أهل العلم فی المرتد۔“

’’مرتد کے معاملے میں اہل علم کے ہاں اسی حدیث پر عمل ہے۔‘‘ [3]

③ ۔ امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ (321ھ) فرماتے ہیں:

”قَدْ أَجْمَعُوا أَنَّ الْمُرْتَدَّ قَبْلَ رِدَّتِهِ مَحْظُورٌ دَمُهُ وَمَالُهُ، ثُمَّ إِذَا ارْتَدَّ فَكُلٌّ قَدْ أَجْمَعُوا أَنَّ الْحَظْرَ الْمُتَقَدِّمَ قَدِ ارْتَفَعَ عَنْ دَمِهِ وَصَارَ دَمُهُ مُبَاحًا۔“

’’علماء کا اجماع ہے کہ ارتداد سے قبل مرتد کی جان اور مال محفوظ ہے، پھر جب وہ مرتد ہو جائے تو علماء کا اجماع ہے کہ اس کی

---

[1] (برھان، ص: 140، طبع ہفتم)

[2] (الأم: 6/169)

[3] (سنن الترمذی کتاب الحدود، باب ماجاء فی المرتد)

خون سے حظرِ متقدم رفع ہو جاتا ہے اور اس کا قتل مباح ٹھہرتا ہے۔'' [1]

④۔ امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ (463ھ) فرماتے ہیں:

''مَنِ ارْتَدَّ عَنْ دِينِهِ حَلَّ دَمُهُ وَضُرِبَتْ عُنُقُهُ وَالْأُمَّةُ مُجْتَمِعَةٌ عَلَى ذَلِكَ۔''

''جو دینِ اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس کا خون حلال ہو جاتا ہے، اسے قتل کر دیا جائے گا، اس پر امت کا اجماع ہے۔'' [2]

اسی طرح فرماتے ہیں:

''فَالْقَتْلُ بِالرِّدَّةِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا لَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ فِيهِ۔''

''جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ارتداد کی بنا پر قتل کرنے میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔'' [3]

⑤۔ امام ابو محمد البغوی رحمہ اللہ (516ھ) فرماتے ہیں:

''وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، أَنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا ارْتَدَّ عَنْ دِينِهِ يُقْتَلُ۔''

''اہل علم کے ہاں اسی پر عمل ہے، کہ کوئی مسلمان جب اپنے دین سے مرتد ہو جائے اسے قتل کر دیا جائے گا۔'' [4]

⑥۔ علامہ ابو المظفر ابن ھبیرہ الوزیر رحمہ اللہ (560ھ) فرماتے ہیں:

''وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْمُرْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ يَجِبُ عَلَيْهِ الْقَتْلُ۔''

''فقہاء کا اتفاق ہے کہ اسلام سے مرتد ہو جانے والا واجب القتل ہے۔'' [5]

⑦۔ علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (620ھ) فرماتے ہیں:

''أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى وُجُوبِ قَتْلِ الْمُرْتَدِّ۔ وَرُوِيَ ذَلِكَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، وَعَلِيٍّ، وَمُعَاذٍ، وَأَبِي مُوسَى، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَخَالِدٍ، وَغَيْرِهِمْ، وَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ، فَكَانَ إِجْمَاعًا۔''

''مرتد کے وجب القتل ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے، اور یہ سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابو موسی، ابن عباس، خالد وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور چونکہ ان کی رائے پر انکار نہیں کیا گیا تو یہ اجماع بن گیا۔'' [6]

فائدہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَالَّذِي لَا رَيْبَ فِيهِ أَنَّهُ حُجَّةٌ مَا كَانَ مِنْ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الَّذِي سَنُّوهُ لِلْمُسْلِمِينَ وَلَمْ يُنْقَلْ أَنَّ أَحَدًا مِنَ الصَّحَابَةِ خَالَفَهُمْ فِيهِ فَهَذَا لَا رَيْبَ أَنَّهُ حُجَّةٌ بَلْ إِجْمَاعٌ۔''

''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو چیز خلفائے راشدین کی سنت ہو جسے انہوں نے مسلمانوں کے لیے جاری کیا ہو اور صحابہ

---

[1] (شرح معاني الآثار: 267/3)
[2] (التمهيد: 306/5)
[3] (التمهيد: 318/5)
[4] (شرح السنة للبغوي: 238/10)
[5] (الإفصاح عن معاني الصحاح في الفقه على المذاهب الاربعة: 187/2)
[6] (المغنى: 3/9)

کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہ کی ہو تو وہ بلاشک حجت بلکہ اجماع ہے۔“ [1]

⑧۔ علامہ بہاء الدین المقدسی رحمہ اللہ (624ھ) فرماتے ہیں:

”أجمع أهل العلم على وجوب قتل المرتدين۔“

”مرتد کے واجب القتل ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔“ [2]

⑨۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) فرماتے ہیں:

”الِاعْتِبَارَ عِنْدَ النِّزَاعِ بِالرَّدِّ إِلَى اللهِ وَإِلَى الرَّسُولِ وَالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ دَالٌّ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ أَنَّ الْمُرْتَدَّ يُقْتَلُ بِالِاتِّفَاقِ۔“

”اختلاف کے وقت اعتبار کتاب وسنت کی طرف رجوع کا ہوگا، اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ قرآن وسنت اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مرتد کو بالاتفاق قتل کیا جائے گا۔“ [3]

⑩۔ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (795ھ) (شادی شدہ زانی، قاتل اور مرتد کے متعلق) فرماتے ہیں:

”وَالْقَتْلُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْ هَذِهِ الْخِصَالِ الثَّلَاثِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ۔“

”ان تینوں خصال میں سے ہر ایک کی بنا پر قتل کرنا مسلمانوں کے مابین متفقہ علیہ مسئلہ ہے۔“ [4]

⑪۔ علامہ امیر الصنعانی رحمہ اللہ (1182ھ) فرماتے ہیں:

”الْحَدِيثُ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ يَجِبُ قَتْلُ الْمُرْتَدِّ، وَهُوَ إِجْمَاعٌ۔“

”حدیث دلالت کرتی ہے کہ مرتد، واجب القتل ہے، اور اس پر اجماع ہے۔“ [5]

⑫۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ (1250ھ) فرماتے ہیں:

”وَقَتْلُ الْمُرْتَدِّ إِنْ لَمْ يَرْجِعْ إِلَى الْإِسْلَامِ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ۔“

”مرتد اگر واپس مسلمان نہ ہو تو اس کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔“ [6]

نیز فرماتے ہیں:

”قَتْلُ الْمُرْتَدِّ عَنِ الْإِسْلَامِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔“

”اسلام سے مرتد ہو جانے والے کے قتل پر اتفاق ہے۔“ [7]

---

[1] (مجموع الفتاوى:573/20)

[2] (العدة شرح العمدة:616)

[3] (مجموع الفتاوى:100/20)

[4] (جامع العلوم والحكم:312/1)

[5] (سبل السلام:383/2)

[6] (السيل الجرار، ص:979)

[7] (السيل الجرار، ص:868)

⑬۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى وُجُوْبِ قَتْلِ الْمُرْتَدِّ۔“

”علماء کا اتفاق ہے کہ مرتد واجب القتل ہے۔“ [1]

اسی طرح مرتد کے قتل پر علامہ ابن القفال شاشی کبیر (365ھ)، علامہ کاسانی حنفی (587ھ)، حافظ ابن المناصف (620ھ) رحمہم اللہ نے بھی اجماع نقل کیا ہے۔ [2]

بعض متجددین نے بھی اس پر فقہاء اسلام کے اجماع کو تسلیم کیا ہے۔ [3]

معلوم ہوا کہ مرتد کے واجب القتل ہونا، عہدِ صحابہ سے پوری امت کا متفقہ موقف ہے، لہٰذا متجددین کا صدیوں بعد اسے اختلافی مسئلہ بنانے کی کوشش کرنا ہر لحاظ سے مردود ہے۔

یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ کا ایک اقتباس نقل کر دیا جائے وہ فرماتے ہیں:

”اسلام ہر شخص کو دین اختیار کرنے میں پوری آزادی دیتا ہے، لیکن اسلام لانے کے بعد دین سے پھر جانے کو سخت جرم قرار دیتا ہے، کیونکہ اسلام ایک تحریک ہے اور اس سے پھر کے دشمن سے جا ملنا بغاوت کے مترادف ہے۔ جس کی سزا دنیا کے ہر قانون میں قتل ہے۔ مرتد ہونے والے فرد یا جماعت کو پہلے گفت وشنید کے ذریعہ توبہ کی تلقین کی جائے گی۔ یہ تلقین تین بار ہونی چاہیے اور مرتدین کو سوچنے کا موقع دینا چاہیے۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حلولیوں کو، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا سمجھتے تھے تین دفعہ تلقین کے بعد زندہ جلا دیا تھا یا گروہ کثیر کی صورت میں ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ اور دوسرے مرتدین سے کیا۔“ [4]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہی وضلالت سے بچا کر سلف صالحین وائمہ دین کے راستے پر گامزن رکھے اور فرشتۂ اجل کے آجانے تک اسی پر قائم رکھے۔ آمین۔

---

[1] (الفقه الإسلامي وأدلته:186/6)

[2] (محاسن الشريعة للشاشي، ص:540، بدائع الصنائع:270/2، الإنجاد في أبواب الجهاد لابن المناصف:605/2، الميزان الكبرى للشعرانى:165/2)

[3] (برہان از جاوید غامدی، ص:139)

[4] (نبی کریم ﷺ بحثیت سپہ سالار:138)

نیت؛ معنی ومفہوم اور بعض مسائل

محمد شاہ رخ خان

اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کو پیدا کیا ہے اور ان میں سے جنوں اور انسانوں کو اسلام کی صورت میں اتاری گئی شریعت کا پابند کیا ہے۔ اسلام کو اعتقاد اور عمل کا مرکب بنایا گیا ہے جس میں عقائد کا اظہار اپنے اعمال کے ذریعے کیا جاتا ہے، اور اس ساری جدوجہد کا ثمرہ حاصل کرنے کے لیے عقائد اور اعمال یعنی دل اور دیگر اعضاء میں موافقت ضروری ہے۔

ظاہر و باطن کی یہ موافقت دراصل دل کے ارادے سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی عمل تب تک وجود میں نہیں آتا جب تک اس کا ارادہ دل میں نا کیا گیا ہو۔ جیسا کہ ارادے کی تعریف میں بھی کہا گیا ہے: "المیل الحامل علی إیقاع الفعل و إیجادہ" یعنی ایسا میلان جو انسان کو کسی کام کے کرنے اور اسے وجود میں لانے پر ابھارے۔ بس اسی میلان کو ایک خاص رخ دے کر شریعت نے نیت کا نام دیا ہے اور اس پر مختلف احکامات مرتب کیے ہیں۔

نیت کا معنی:

النیۃ اصل میں یہ لفظ نِوْیَۃ تھا، واؤ اور یاء جمع ہوئے جس میں واؤ ساکن تھا تو واؤ، یاء میں تبدیل ہو گیا اور یاء، دوسرے یاء میں مدغم ہو گیا اور یہ نیۃ بن گیا۔ اس کے لغوی معنی ہے کسی کام کا عزم کرنا۔ [1]

البتہ شرعی اصطلاح میں اس کا مفہوم کچھ الگ ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے یہ محض عزم اور ارادے کا نام نہیں ہے۔ گو کہ یہ ارادے کی ہی ایک قسم ہے، البتہ اس میں جس کام کا ارادہ کیا جاتا ہے اس کام کو کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ایک خاص جہت کی طرف پھیر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً: کوئی شخص دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہے، یہ اس کا ارادہ ہے۔ لیکن پھر اس عمل کی مختلف جہات ہیں۔ جیسے کہ یہ دو رکعات فرض ہے یا سنت؟ سنت ہے تو کون سی؟ جیسے نمازِ فجر یا مغرب کی دو سنتیں۔ سو نماز کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی دل میں رکھنا کہ یہ جنسِ نماز کی کونسی قسم یا جہت ہے، یہ مقصود صرف نیت سے حاصل ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے فقیہ قرافی ؒ نے اسکی تعریف یہ کی ہے:

"إرادۃ تتعلق بامالۃ الفعل إلی بعض مایقبلہ لا بنفس الفعل من حیث ھو."

"یعنی ایسا ارادہ جس سے کسی فعل کو کسی خاص جانب متوجہ کرنا مقصود ہونا کہ نفس فعل کا ارادہ۔" [2]

قرافی ہی اپنی دوسری کتاب میں فرماتے ہیں:

"قصد الإنسان بقلبہ مایریدہ بفعلہ."

---

[1] لسان العرب، مادۃ نوی، ج 15، ص 347، 349

[2] الأمنیۃ في إدراك النیۃ: 119

’’انسان کا اپنے دل میں اس بات کا ارادہ کرنا کہ وہ اپنے فعل سے کیا کرنا چاہتا ہے۔‘‘ [1]

یعنی نیت محض کسی کام کے ارادے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کام کو مخصوص جہت میں ادا کرنے کے ارادے کا نام نیت ہے۔ جس کی مثال ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔

نیت اور قصد یا ارادے میں یہ فرق بھی ہے کہ نیت صرف اپنے فعل کی کی جاسکتی ہے۔ البتہ ارادہ کسی دوسرے کے فعل کا بھی کیا جاسکتا ہے۔ جیسے اللہ تعالی سے دعا کرتے وقت کسی دوسرے کی مغفرت کا ارادہ کرنا۔ اب یہاں ہمارا ارادہ اللہ تعالی کے فعل یعنی مغفرت کرنے سے متعلق بھی ہے۔ البتہ نیت صرف اپنے فعل کی ہوتی ہے۔

ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ ارادہ صرف اس کام کا ہوتا ہے جو انسان کی طاقت میں ہو۔ البتہ نیت ایسے کام کی بھی ہوسکتی ہے جو انسان کی طاقت میں نا ہو۔ جیسا کہ آگے ترمذی کی حدیث کے حوالے سے آئے گا۔ یہ فرق امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ [2]

یہاں یہ بھی خلطِ مبحث دور کر لینا مناسب ہے کہ جب کوئی کسی دوسرے کی طرف سے حج وغیرہ ادا کرتا ہے، تو دراصل وہ اس کی طرف سے نیت نہیں کرتا بلکہ بطورِ نائب پورا فعل ادا کرتا ہے۔

نیت کرنے کا شرعی حکم:

شریعتِ اسلامیہ میں نیت کو وجوب کا درجہ حاصل ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”إنما الاعمال بالنيات.“

’’اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے۔‘‘

لہٰذا ہر عمل کی بنیاد کے لیے نیت کی موجودگی ضروری ہے۔

نیت کے واجب ہونے کی حکمت:

نیت کے واجب ہونے کی دو حکمتیں ذکر کی گئی ہیں:

۱) نیت کے ذریعے عادت اور عبادت میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی سب سے آسان مثال غسل کرنا ہے۔ ایک انسان اس لیے غسل کرتا ہے کہ اسے پسینہ آ رہا ہے، یا اسکے جسم پر میل کچیل ہے، یہ عادت کا غسل ہے۔ اور ایک انسان اس لیے غسل کرتا ہے کہ اسے حکمِ الٰہی کے مطابق طہارت حاصل کرنی ہے یا جمعہ اور عید کے دن اتباعِ سنت میں غسل کرتا ہے تو یہ عبادت کا غسل ہے۔

۲) نیت کے واجب ہونے کی دوسری حکمت یہ ہے کہ نیت ہی کے ذریعے مختلف عبادات کا باہمی فرق بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ چار رکعت پڑھ رہے ہیں تو کیا یہ فرض رکعتیں ہیں یا سنت؟ یہ ظہر کی نماز ہے یا عصر؟ روزہ نفلی ہے یا قضاء کا ہے؟ ان عبادات میں فرق صرف نیت کے ذریعے ہی طے کیا جاسکتا ہے۔ [3]

نیت کی اقسام:

نیت کی دو قسمیں ہیں:

---

[1] الذخیرۃ: 1/20

[2] بدائع الفوائد: 3/190

[3] الأمنية في إدراك النية للقرافي: 141

۱) **فعلیہ:**

یعنی کسی عبادت کی ابتداء میں ہی اس کی نیت کرنا جیسے کوئی دو رکعت نوافل ادا کرنے سے قبل ان کی نیت کرلے۔

۲) **حکمیہ معنویہ:**

اس سے مراد وہ نیت ہے جو انسان نے پہلے سے کسی عبادت کے لئے کر رکھی ہو۔ پھر اگرچہ وہ انسان کہیں مصروف ہو جائے اور عبادت سے عین پہلے تجدید نہ کرے تو سابقہ نیت برقرار رہتی ہے۔ جیسا کہ فرضی روزے کی نیت رات سے کرلینا۔ یا انسان روزہ شروع ہونے کے بعد اپنے معاملات میں مصروف ہو جاتا ہے اور اسے یہ دھیان نہیں رہتا کہ میرا روزہ ہے، تو شریعت اسکی نیت کو کالعدم یا باطل نہیں قرار دیتی بلکہ اسکی نیت کو جاری رکھتی ہے۔ ایسے ہی ایمان کا معاملہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئے تو اسکے ایمان کو مانا جائے گا۔ پھر اگر وہ عمر کے کسی حصہ میں مجنون ہو جائے تو اسکے ایمان کو باطل نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے ہوش وحواس میں ایمان کا اقرار کیا تھا۔ سو حکمی اور معنوی طور پر اسکا ایمان باقی سمجھا جائے گا۔

نیت کرنے کا طریقہ:

اوپر کی بحث سے سمجھ آتا ہے کہ دل میں ایک مرتبہ نیت کرلینا کافی ہوتا ہے، اور بار بار اسکا اعادہ ضروری نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز سے پہلے بطور یاددہانی نیت کے الفاظ زبان سے دہرا لینے چاہییں۔ تو ان سے عرض ہے کہ اول تو نیت ایک مرتبہ کرنے کے بعد باقی رہتی ہے۔ دوسری بات کہ نیت کا اصل محل ومقام دل ہے، کیونکہ نیت ارادے کی ایک قسم ہے اور ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ نیز نیت کوئی قولی یا فعلی چیز نہیں بلکہ کسی کام کی طرف متوجہ ہونے کیلیے ایک احساس اور ایک میلان کا نام ہے۔ سو زبانی نیت کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ اسکی تردید سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صراحتاً ثابت ہے۔

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو احرام باندھتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا:

"اللّٰهُمَّ إني أريدُ الحجَّ أو العمرة."

"اے اللہ میں حج یا عمرے کا ارادہ کرتا ہوں۔"

تو اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"أتعلمُ النَّاس؟ أو ليسَ الله يعلمُ ما في نَفسكَ؟"

"کیا تو لوگوں کو سکھا رہا ہے؟ کیا اللہ نہیں جانتا کہ تیرے دل میں کیا ہے؟" [1]

یعنی اللہ تو جانتا ہے تیرے دل میں نیت کیا ہے۔ پھر اب اپنی نیت لوگوں کو بتانی کی کیا ضرورت ہے؟

یہاں یہ بھی ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ تلبیہ بھی تو زبان سے ادا کیا جاتا ہے: لبيك اللهم لبيك... الخ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تلبیہ حج کی نیت نہیں بلکہ ایک افتتاحی اعلان ہے کہ اب مذکورہ عبادت شروع ہوگئی ہے۔ جیسا کہ نماز میں تکبیر اولی ادا کی جاتی ہے۔

[1] سنن بیہقی: 5/40، اس کی سند کو امام ابن رجب نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: جامع العلوم والحکم: 1/96 ت ماهر الفحل

نیت کرنے کا وقت:

نیت میں اصل یہ ہے کہ یہ عمل سے پہلے ہوتی ہے۔ البتہ بعض اوقات دورانِ عمل بھی نیت کی جاسکتی ہے۔ جیسے کوئی شخص فرض نماز انفرادی طور پر پڑھنا شروع کرے، لیکن اثناءِ نماز وہاں کچھ لوگ آ کر جماعت کروانا شروع کردیں۔ تو وہ شخص اپنی انفرادی نماز کو نفلی نماز میں تبدیل کرسکتا ہے، تاکہ وہ فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لے۔

اسی طرح بعض اوقات نیت عمل کے بعد بھی ہوتی ہے جیسا کہ نفلی روزے کا معاملہ ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح اسانید سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کئی مرتبہ صبح اٹھ کر ازواج سے یہ پوچھتے تھے کہ گھر میں کچھ کھانے کو ہے؟ اگر جواب نفی میں ملتا تو نبی کریم ﷺ فرماتے: پھر میں روزے سے ہوں۔ حالانکہ اس وقت روزے کو شروع ہوئے کافی وقت ہو چکا ہوتا۔

کیا نیت صرف اچھے کام کی ہوتی ہے؟

بعض اہلِ علم نے نیت کی تعریف میں نیت کو اچھے کاموں اور تقرب الی اللہ کے ساتھ خاص کیا ہے، کیونکہ نیت کا یہ تصور شریعت کا متعارف کروایا ہوا ہے جس میں خاص کر عبادات سے اس کا تعلق ہے۔ اہلِ علم کہتے ہیں:

”وهو قصد الطاعة والتقرب إلى الله سبحانه وتعالى.“

”نیت یہ کہ اللہ تعالی کی اطاعت اور تقرب کا ارادہ کرنا۔“ [1]

البتہ اگر نیت کو عام معنوں میں دیکھا جائے تو نیت کا لفظ حدیث میں اچھے اور برے دونوں کاموں کے لئے مستعمل ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے:

ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں اور میں تم لوگوں سے ایک بات بیان کررہا ہوں جسے یاد رکھو! کسی بندے کے مال میں صدقہ دینے سے کوئی کمی نہیں آتی (یہ پہلی بات ہے)، اور کسی بندے پر کسی قسم کا ظلم ہو اور اس پر وہ صبر کرے تو اللہ اس کی عزت کو بڑھا دیتا ہے (دوسری بات ہے)، اور اگر کوئی شخص اپنے لیے سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ اس کے لیے فقر ومحتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (یا اسی کے ہم معنی آپ نے کوئی اور کلمہ کہا، یہ تیسری بات ہے) اور میں تم لوگوں سے ایک اور بات بیان کررہا ہوں اسے بھی اچھی طرح یاد رکھو! یہ دنیا چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے: ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال اور علم کی دولت دی، وہ اپنے رب سے اس مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں ڈرتا ہے اور اس مال کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس میں سے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا بھی خیال رکھتا ہے، ایسے بندے کا درجہ سب درجوں سے بہتر ہے۔ اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے علم دیا، لیکن مال ودولت سے اسے محروم رکھا پھر بھی اس کی نیت سچی ہے اور وہ کہتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں اس شخص کی طرح عمل کرتا لہٰذا اسے اس کی سچی نیت کی وجہ سے پہلے شخص کی طرح اجر برابر ملے گا۔ اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے مال ودولت سے نوازا لیکن اسے علم سے محروم رکھا، وہ اپنے مال میں غلط روش اختیار کرتا ہے، اس مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا ہے، نہ ہی صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی

[1] أشباه ابن نجیم: 42

اس مال میں اللہ کے حق کا خیال رکھتا ہے تو ایسے شخص کا درجہ سب درجوں سے بدتر ہے۔ اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے مال ودولت اور علم دونوں سے محروم رکھا، وہ کہتا ہے کاش میرے پاس مال ہوتا تو فلاں کی طرح میں بھی عمل کرتا (یعنی: برے کاموں میں مال خرچ کرتا) تو اس کی نیت کا وبال اسے ملے گا اور دونوں کا عذاب اور بار گناہ برابر ہوگا۔'' [1]

اس حدیث میں برے ارادے کو بھی نیت سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں تو بری نیت والے کو بھی گناہ میں برابر کا شریک قرار دیا جا رہا ہے حالانکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالی نے اس امت کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر کیا یہاں تک کہ وہ اس پر عمل نا کرلیں یا اس کا اظہار نا کریں۔ [2]

اس حدیث میں دل میں پیدا ہونے والے خیالات پر کوئی پکڑ نہیں کی گئی لیکن دوسری حدیث میں نیت پر بھی گناہ دیا جا رہا ہے؟! شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''الایمان'' میں اس کی یہ تطبیق دی ہے کہ اگر انسان کے دل میں صرف برے خیالات آرہے ہیں تو اس پر پکڑ نہیں۔ البتہ اگر وہ اس کا اظہار کردے جیسا کہ اوپر حدیث میں ہے کہ جس بندے کے پاس مال نہیں وہ مالدار شخص کو دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا، گویا اب اس نے اظہار کردیا اور معاملہ اسکے دل تک نہیں رہا۔ تو ایسی صورت میں یہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔

کیا نیت اخلاص ہے؟

کیا نیت اور اخلاص ایک ہی چیز ہے؟ اس میں اہلِ علم نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اخلاص نیت کے معنی پر ایک اضافی معنی ہے۔ کیوں کہ نیت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کسی خاص جہت میں کیا جائے۔ البتہ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کو اللہ تعالی کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اس لحاظ سے اخلاص نیت سے الگ چیز ہے۔ نیز اخلاص خالص اللہ کے لیے نیکی کے کاموں میں ہوتا ہے اور نیت برے کاموں کی بھی ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ نیت سے مقصود کسی کام کا ارادہ کرنا ہوتا ہے۔ پھر اسی ارادے میں یہ بھی طے کرنا ہوتا ہے کہ یہ عادت ہے یا عبادت؟ یہ فرض ہے یا سنت؟ یہ ظہر کی عبادت ہے یا عصر کی؟ ان تمام امور کو جس ایک ارادے میں جمع کرلیا جائے، تو اسے نیت کہتے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ۔

---

[1] سنن ترمذی: 2325

[2] صحیح مسلم: 127

شفعہ کے مسائل

عمر عبدالسلام

”شفعہ“ شفعٌ سے مشتق ہے جس کا معنی جوڑا ہے، جیسے فرمایا ((والشفع والوتر))۔ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے شفعہ کا لفظ اپنے مخصوص معنی میں شرعی لفظ ہے، اس سے پہلے عرب میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال نہیں ہوا جیسا کہ صلاۃ زکاۃ وغیرہ ہے۔

شرع میں شفعہ یہ ہے کہ ایک شریک کا حصہ جو کسی اجنبی کی طرف منتقل ہو گیا تھا، اس کا دوسرے شریک کی طرف اسی معاوضہ میں منتقل ہو جانا جو اس اجنبی نے دیا تھا۔ چونکہ شفعہ کرنے والا اپنے حصے کے ساتھ اپنے شریک کے حصے کو بھی ملا لیتا ہے اس لیے اس عمل کو شفعہ کہتے ہیں کہ شریک نے اپنے حصے کے ساتھ دوسرے شریک کے حصے کو ملا کر جوڑا بنا لیا۔

صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتْ الْحُدُودُ وَصُرِفَتْ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.“

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ کی گئی ہو، پھر جب حدیں بن جائیں اور راستے جدا ہو جائیں تو کوئی شفعہ نہیں۔“ [1]

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کچھ تفصیل سے آئی ہے جس سے اس کا مفہوم خوب واضح ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

”قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل شركة لم تقسم، ربعة او حائط، لا يحل له ان يبيع حتى يوذن شريكه فإن شاء اخذ وان شاء ترك، فإذا باع ولم يؤذنه فهو أحق به.“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مشترکہ چیز کے متعلق حکم دیا جو تقسیم نہ کی گئی ہو، مکان ہو یا باغ، اس کے لیے حلال نہیں کہ اسے بیچے یہاں تک کہ اپنے شریک (حصہ دار) کو اطلاع دے۔ پھر اگر وہ چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، اور جب وہ بیچے اور اس نے اسے اطلاع نہ دی ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔“ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اس حدیث کے ابتدائی حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ منقولہ چیزوں میں بھی ہوتا ہے، اور اس کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف جائیداد میں ہوتا ہے۔“ [3]

---

[1] صحیح البخاری: 2257

[2] صحیح مسلم: 1608

[3] فتح الباری: 2/521

حافظ عبدالستار حماد ﷾ لکھتے ہیں:

شفعہ کے بالترتیب تین اسباب ہیں:

(ا) شرکت ملکیت: ایک شخص فروخت کردہ مشفوعہ جائیداد کی ذات کی ملکیت میں شریک ہو جیسا کہ دو یا دو سے زیادہ آدمی غیر منقسم زمین یا مکان میں شریک ہوں۔

(ب) شرکت حق: دو یا دو سے زیادہ اشخاص فروخت کردہ جائیداد کی بجائے اس کے حقوق میں شریک ہوں مثلاً گزرنے کا حق یا سیراب کرنے کا حق وغیرہ۔

(ج) ہمسائیگی: شفعہ کرنے والے کا مکان فروخت کردہ جائداد سے متصل ہو۔ واضح رہے کہ شفعہ خلاف اصل ثابت ہوتا ہے کیونکہ اسے خریدار کی ملکیت سے چھین کر اس کی رضامندی کے بغیر اسے معاوضہ واپس لینے پر مجبور کیا جاتا ہے تاہم شریعت نے بعض مصلحتوں کی بنا پر اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے مطلق طور پر اسے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے چند ایک شرائط ہیں:

(۱) پیش کردہ حدیث کے مطابق شفعہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائیداد مشترک ہو اور اسے تقسیم نہ کیا گیا ہو اگر جائیداد تقسیم ہو جائے اور راستے الگ الگ ہو جائیں تو حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۲) وہ ایسی جائیداد ہو جو فروخت کرنے والے کی ملکیت غیر منقولہ ہو۔ منقولہ جائیداد فروخت کرنے میں کوئی شفعہ نہیں ہوگا مثلاً حیوانات، اناج یا پھل۔

(۳) شفعہ کرنے والے کی وہ جائیداد جس کی وجہ سے اسے شفعہ کا حق حاصل ہو رہا ہے اس کی اپنی مملوکہ ہو۔ وقف اراضی یا حکومت کی جائیداد پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(٤) شفعہ کا حق اس وقت حاصل ہوگا جب کوئی جائداد بذریعہ عقد قطعی طور پر منتقل کی گئی ہو اس بنا پر ہبہ، وراثت یا صدقے کے ذریعے سے ملنے والی چیز پر شفعہ نہیں ہوگا۔

(٥) شفعہ کا مطالبہ فوری ہونا چاہیے، جب علم ہونے کے بعد خاموشی اختیار کی جائے تو اس سے حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ [1]

حافظ عبدالسلام بن محمد ﷾ اپنی زیرِ طبع شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

”حافظ عبدالستار حماد صاحب نے منقولہ جائیداد میں شفعہ کو ناجائز کہا ہے۔ مگر جو وجہ غیر منقولہ جائیداد میں شفعہ مشروع ہونے کی ہے، وہی بعض اوقات منقولہ اشیاء میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً دو آدمی ایک گاڑی یا مشین وغیرہ کی ملکیت میں شریک ہیں ان میں سے ایک شریک اپنا حصہ کسی اجنبی کو فروخت کرتا ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ اجنبی اپنے مزاج اور رویے میں دوسرے شریک کے ساتھ موافقت نہ رکھتا ہو، اور اس کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔ غیر منقولہ جائیداد میں بھی شفعہ کی حکمت یہی ہے۔ اس لیے منقولہ جائیداد میں بھی شفعہ جائز ہونا چاہیے۔“

حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں:

بیہقی ؒ (6/ 109) نے ابن عباس ؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے ”الشفعة في كل شيء“ (شفعہ ہر چیز میں ہے)۔

---

[1] ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری: 4/211

اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس میں مرسل ہونے کی علت بیان کی گئی ہے۔اور طحاوی (4/126) نے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کا ایک شاہد روایت کیا ہے،" باسناد لا بأس بر وایته "جس کے راویوں میں کوئی خرابی نہیں۔" [1]

طحاوی کی اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم بالشفعة في كل شيء."

علامہ البانی رحمہ اللہ اور کئی اہل علم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کو مرسل قرار دے کر ضعیف کہا ہے، مگر جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے کہا کہ طحاوی میں مذکور جابر رضی اللہ عنہ والی روایت کے راویوں میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

"انیس الساری فی تخریج احادیث صحیح البخاری" کے مؤلف نے اس حدیث کے تمام طرق اور الفاظ پر لمبی بحث کے بعد آخر میں شرح معانی الآثار طحاوی کی یہ روایت ذکر کی ہے اور کہا ہے: "ومن طریقه اخرجه ابن حزم فی المحلی (10/5) و اسناده صحیح و ابن جریج لا یدلس فی عطاء "یعنی طحاوی والی سند سے ہی ابن حزم نے اسے المحلّی میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے اور ابن جریج عطاء سے روایت کرتے ہوئے تدلیس نہیں کرتے۔ [2]

فروخت کرنے سے پہلے شفعہ کو شفعہ کے حقدار کے سامنے پیش کرنا:

صحیح بخاری میں تعلیقا مروی ہے:

"اور حکم نے کہا جب وہ اسے فروخت سے پہلے اجازت دے دے تو اسے شفعہ کا کوئی حق نہیں۔اور شعبی نے کہا جس کا شفعہ فروخت کیا جائے اور وہ موجود ہو، اس پر کوئی اعتراض نہ کرے تو اسے شفعہ کا کوئی حق نہیں۔" [3]

عمرو بن شرید کہتے ہیں:

"وَقَفْتُ عَلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فَجَاءَ المِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى إِحْدَى مَنْكِبَيَّ إِذْ جَاءَ أَبُو رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا سَعْدُ ابْتَعْ مِنِّي بَيْتَيَّ فِي دَارِكَ فَقَالَ سَعْدٌ وَاللَّهِ مَا أَبْتَاعُهُمَا فَقَالَ المِسْوَرُ وَاللَّهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمَا فَقَالَ سَعْدٌ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُكَ عَلَى أَرْبَعَةِ آلَافٍ مُنَجَّمَةً أَوْ مُقَطَّعَةً قَالَ أَبُو رَافِعٍ لَقَدْ أُعْطِيتُ بِهَا خَمْسَ مِائَةِ دِينَارٍ وَلَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ مَا أَعْطَيْتُكَهَا بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ وَأَنَا أُعْطَى بِهَا خَمْسَ مِائَةِ دِينَارٍ فَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ."

"میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی ابورافع رضی اللہ عنہ آ گئے اور کہنے لگے: اے سعد! آپ کی حویلی میں واقع میرے دو مکان آپ خرید لیں۔سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں انہیں نہیں خریدوں گا۔تو مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ انہیں ضرور خریدیں گے۔سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں چار ہزار (درہم) سے زیادہ نہیں دوں گا جو قسطوں میں ادا کیے جائیں گے۔ابورافع نے کہا: مجھے اس کے پانچ سو دینار مل رہے تھے اور اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ ہمسایہ اپنے قرب کی وجہ سے

---

[1] فتح الباری: 4/436

[2] انیس الساری، حدیث: 2298

[3] صحیح البخاري، باب عرض الشفاعة علی صاحبها قبل البیع

زیادہ حق دار ہے تو میں تمہیں چار ہزار میں نہ دیتا جب کہ مجھے اس سے پانچ سو دینار ملتے ہیں چنانچہ انہوں نے وہ مکان ان کو دے دیا۔'' [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک کے علاوہ ہمسائے کو بھی شفعہ کا حق حاصل ہے کیونکہ سعد رضی اللہ عنہ کی حویلی میں موجود ابورافع کے دو مکانوں کی ملکیت میں سعد شریک نہیں تھے۔ ابورافع رضی اللہ عنہ نے ہمسائیگی کی وجہ سے ان کا حق مقدم قرار دیا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''الجار أحق بسقبه'' پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف شریک ہی شفعہ کا حق نہیں رکھتا بلکہ ہمسائے کو بھی اس کا حق ہے۔ ابورافع کو مکان کے پانچ سو دینار مل رہے تھے مگر سعد نے چار ہزار یعنی درہم سے زیادہ دینے سے انکار کر دیا اور وہ بھی قسطوں میں۔ ابورافع نے ہمسائیگی کی وجہ سے سعد رضی اللہ عنہ کو کم قیمت پر ہی دے دیا۔

اس روایت میں چار ہزار کا ذکر ہے اس سے مراد درہم ہیں۔ سفیان کی روایت میں چار سو کا ذکر ہے، اس سے مراد دینار ہیں۔ اور صحیح بخاری باب ترک الحیل میں اربع مئة مثقال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک مثقال دس درہم کے برابر تھا۔ یاد رہے مثقال اور دینار ایک ہی چیز ہے (یعنی سونے کا سکہ) گویا ابورافع نے پانچ سو دینار یا پانچ ہزار درہم چھوڑ دیے جو انہیں مکانوں کے مل رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی وجہ سے دونوں مکان قسطوں میں ملنے والے چار ہزار درہم یا چار سو دینار میں فروخت کر دیے۔

متعدد روایات میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''الجار أحق بشفعته ينتظر به وان كان غائبا اذا كان طريقهما واحدا.''

''ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حق دار ہے اس کا انتظار کیا جائے گا، خواہ وہ غائب ہو جب دونوں کا راستہ ایک ہو۔'' [2]

اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس لیے ہمسائے کے لیے شفعہ کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔

کون سا ہمسایہ زیادہ قریب ہے؟

''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِما أُهْدِي قَالَ إِلَى أَقْرَبِهِما مِنْكِ بَابًا.''

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے ہدیہ دوں؟ آپ نے فرمایا: جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہے۔'' [3]

ابورافع کی حدیث سے ہمسائے کے لیے شفعہ ثابت ہوا اور اس حدیث سے یہ متعین ہوا کہ اگر ہمسائے زیادہ ہوں تو ان میں سے شفعہ کا زیادہ حقدار وہ ہے جس کا دروازہ فروخت کردہ زمین والے کے زیادہ قریب ہو۔

---

[1] صحيح البخاري: 2258

[2] سنن الترمذي: 1369، سنن أبي داؤد: 3518، سنن ابن ماجه: 2494، السنن الكبرى للنسائي: 3434، مسند احمد: 14253

[3] صحيح بخاری: 2259

شبہات سے بچاؤ کیلیے چند مبادیات

مہتاب اصغر

قارئین کرام! امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز میں سے ایک بڑا چیلنج جہالت کا ہے۔ جہالت کی انتہا دیکھیے کہ لوگ اپنے ہی خالق و مالک اللہ رب العالمین کی ذات کے متعلق شبہات کا شکار ہیں۔ پھر میڈیا نے جلتی پر تیل کا کردار ادا کیا اور اب ہر کوئی اہل شبہات کا تر نوالہ ہے اِلَّا یہ کہ اللہ رب العزت کا خاص فضل اور رحمت ہو۔

اس صورتحال کے پیش نظر اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ عوام الناس کے سامنے شبہات کے خلاف ایک مضبوط بند باندھا جائے۔ ہماری اس مختصر تحریر کا اصل مقصد چند ایسی مبادیات کا ذکر ہے جو ایک عامی مسلمان کیلیے ایمان و یقین کی مضبوطی میں معاون ہو سکتی ہیں تا کہ وہ اللہ کے متعلق شبہات کے سامنے مزاحمت کر سکے۔ اور یہ مبادیات وہ آسان فہم اور عام نکات ہیں جن کو بنیاد بنا کر داعی حضرات کو اپنا کردار ادا کرتے ہوئے لوگوں کو جہالت، شکوک وشبہات اور رسمی وموروثی ایمان سے نکال کر علم اور یقین کے پختہ ایمان والا بنانا چاہیے۔ اسی طرح ان مبادیات کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک خالی الذھن شخص آسانی کے ساتھ اپنے اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔

☆ ہر صاحب عقل شخص اپنے مشاہدے کی بنیاد پر اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ کوئی چیز خود بخود عدم سے وجود میں نہیں آتی۔ یعنی خود بخود پیدا نہیں ہوتی۔ اور کوئی بھی چیز جس قدر مضبوط، شاندار اور موزوں بنی ہوتی ہے وہ پتہ دیتی ہے کہ اس کے بنانے والا اسی قدر علم، حکمت اور قدرت والا ہے۔ اور صفت ارادہ سے متصف ہے کیونکہ منظم، محکم اور مناسب کام بغیر ارادہ، بغیر علم، بغیر حکمت، یا بغیر قدرت کے نہیں کیا جا سکتا۔

☆ مثلاً دنیا کی ایک چھوٹی سی چیز موبائل کے متعلق اگر کوئی شخص دعوی کرے کہ یہ خود بخود وجود میں آیا ہے، اسے کوئی بنانے والا نہیں ہے، تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اس بات کی تصدیق نہیں کرے گا۔ کیونکہ موبائل ایک ترتیب سے بنا ہے اور منظم نظام کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو مرتب اور منظم ہو وہ از خود وجود میں نہیں آتی بلکہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے۔

☆ جو شخص دنیا کی کسی عام اور چھوٹی چیز کے متعلق یہ بات تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خود بنی ہے وہ پوری دنیا کے متعلق کیسے تصور کر سکتا ہے کہ وہ خود وجود میں آ گئی؟ یقینی بات ہے کہ ہر صاحب عقل شخص اس کائنات کے کمال مرتب وشاہکار نظام میں معمولی غور وفکر سے اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا، بلکہ یہ بات اس کے نزدیک لازمی اور بدیہی ہو جائے گی کہ یہ کائنات ایک کمال علم، کمال حکمت اور کمال قدرت والی ذات کی پیدا کردہ ہے۔ کیونکہ بغیر کسی ذات کے ارادہ کیے، بغیر علم رکھے، بغیر کسی حکمت اور قدرت کے اس قدر وسیع محکم کائنات کا وجود میں آنا محال ہے۔

☆ جب ہم نے یہ جان لیا کہ یہ کائنات از خود وجود میں نہیں آئی بلکہ ایک خالق کی مخلوق ہے اور اس کو پیدا کرنے والا صفت ارادہ سے متصف ہے اور وہ کمال علم، کمال قدرت اور کمال حکمت والا ہے تو اس سے ہمیں مزید دو باتیں سمجھ آتی ہیں:

(الف) اس نے اس کائنات کو با مقصد پیدا کیا ہوگا کیونکہ فضول اور عبث کام کرنا حکمت کے منافی ہے۔

(ب) اس کائنات کی تخلیق میں جو حکمت ہے اور اس کائنات کو اس کے خالق نے جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، اس نے اسے لازماً بیان بھی کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ بات تو سراسر حکمت کے منافی ہے کہ وہ اس کائنات کو با مقصد پیدا کرے، پھر وہ اس کائنات کو اس کے مقصد سے جاہل رکھے۔

☆ انسان کو اس کے خالق نے دیکھنے کے لئے آنکھیں، سننے کے لئے کان دیے، پھر اسے صاحب عقل بنایا، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی جس سے انسان غلط اور صحیح کے درمیان حق اور باطل کے درمیان سچ اور جھوٹ کے درمیان فرق کر لیتا ہے۔ نیز اس کائنات کے علیم اور حکیم خالق نے مخلوق کو محض حواس و عقل کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کی خیر و بھلائی اور رہنمائی کے لیے اپنی طرف سے کتاب اتاری اور رسول بھی بھیجا۔

☆ کتاب میں خالق نے اپنی ذات کا تعارف کروایا، اس کائنات کی تخلیق کا مقصد اور اس کی تفاصیل بیان کی۔ اور ایسے دلائل ذکر کیے جنہیں پڑھ کر ہر صاحب عقل، فطرتِ سلیم کے مالک اور انصاف پسند شخص کو مکمل یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کلام اسی کا ہو سکتا ہے جس نے یہ کائنات خود بنائی ہے۔ پھر اس کے بھیجے گئے رسول کی بیان کردہ تعلیمات پڑھنے سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ واقعتاً اسی خالق کا پیامبر ہے جس نے یہ بزمِ کائنات سجائی ہے۔

(نوٹ: جو ارباب ذوق اس پر مزید پڑھنا چاہیں وہ إعجاز القرآن اور دلائل النبوۃ پر لکھی گئی کتب کا خاص مطالعہ کریں۔ ہم اپنے مضمون کے اصل منشا پر اکتفا کریں گے)

☆ اگر کہا جائے کہ بعض لوگ جھوٹا دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کو عقل اسی لیے عطا کی گئی ہے کہ حق اور باطل، جھوٹ اور سچ، غلط اور صحیح کے درمیان فرق کر سکے۔ اور جھوٹے مدعیان نبوت کا جھوٹ ہر صاحب عقل شخص اگر اس نے آنکھیں کھلی رکھیں ہوں، اور کوئی پست دنیوی اغراض کارفرما نہ ہوں تو باآسانی پہچان لیتا ہے۔ کیونکہ نبوت و رسالت کا دعوی دو میں سے ایک شخص کرتا ہے: یا تو وہ شخص نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے گا جو أصدق الصادقین (سب سے زیادہ سچا) ہے، یا پھر وہ شخص دعویٰ کرے گا جو أکذب الکاذبین (سب سے بڑا جھوٹا) ہے۔ اور سچا یا جھوٹا شخص معروف ہوتا ہے، اس کا حال کسی صاحب عقل پر مخفی نہیں ہوتا؛ کجا جھوٹے ترین اور سچے ترین کا فرق ہو۔

☆ پس یہ کائنات خود نہیں بنی، اور جس نے بنائی اس نے با مقصد بنائی، پھر اس مقصد کے بیان کیلئے اس نے رسول کو کتاب دے کر بھیجا، اور رسول کی پہچان صدق و کذب کی بابت اس کے احوال دیکھنے سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ سوا گلی بدیہی بات یہ ہے کہ جو بات اس خالق کی طرف سے نازل کردہ کتاب یا اس کے بھیجے رسول کے ذریعہ معلوم ہوگی وہی بات حتمی اور سو فیصد درست ہوگی، اس کے مخالف ہر بات خلاف واقع، باطل اور جھوٹ ہوگی۔ فماذا بعد الحق إلا الضلال!

اس بات کا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو شبہات اور دور جدید کے ان گنت فتنوں سے بچانے کی سب سے بہتر، مضبوط اور نسبتاً آسان راستہ یہی ہے کہ ان کا تعلق کتاب و سنت سے جوڑا جائے، اور ان کے اذہان میں اس عقیدہ کو مضبوط کیا جائے کہ کتاب و سنت میں جو بیان کر دیا گیا ہے وہ حق ہے، اور جو اس کے منافی ہے وہ باطل اور جھوٹ ہے۔ پھر تفصیلی طور پر ہر شخص اس کا رد جانتا ہو یا نہ جانتا ہو یہ بات نقصان دہ نہیں رہے گی۔

البتہ اہل فن اور اہل اختصاص شبہات کا تفصیلی رد پہچانیں اور تفصیلی رد کرتے رہیں۔

☆ مدعو (جس کو دعوت دی جائے) شخص کی مختلف حالتیں ممکن ہیں۔

۱) یا وہ کہتا ہوگا کہ یہ کائنات خود بنی ہے اس کا کوئی خالق نہیں ہے، اس کا نظام بھی خود بخود چل رہا ہے، اس کا کوئی مدبر نہیں ہے۔

۲) یا وہ ایک موہوم اور غیر معین خالق اور مدبر مانتا ہوگا کہ ہے کوئی ماسٹر ڈیزائنر، مگر مجھے نہیں معلوم کون ہے۔

۳) یا وہ اس خالق اور مدبر اللہ کو مانے گا مگر کسی دین کو نہیں مانتا ہوگا۔

الغرض جو جس مرحلہ میں ہے اس سے اسی مرحلہ کے مطابق گفتگو کی جائے اور جتنی جلدی ممکن ہو اسے کتاب وسنت کی طرف رجوع اور کتاب وسنت کے دلائل میں تدبر کی دعوت دی جائے۔ کیونکہ کتاب وسنت پر تدبر کرنے سے انسان جتنی جلدی اللہ رب العالمین تک پہنچ سکتا ہے کسی اور راستہ سے ممکن نہیں ہے اور کتاب وسنت میں تدبر سے انسان کو اللہ رب العزت کے خالق مالک اور اکیلے حقیقی معبود ہونے پر جس قدر جلدی اور زیادہ یقین آتا ہے کسی اور صورت سے ممکن نہیں ہے۔

☆ کبھی دعوت میں ایسا ماحول نہ بنایا جائے کہ مدعو عقل پر کلی اعتماد کرنے لگے۔ کیونکہ انسانی عقل ناقص ہے اس کے ناقص ہونے پر یہی دلیل کافی ہے کہ کسی بھی انسان کی عقل جن اشیاء کی حقیقت جانتی ہے، وہ ان اشیاء کی بہ نسبت نہ ہونے کے برابر ہیں جن کی حقیقت سے عقل واقف نہیں ہوتی۔ پھر عقل کی مثال انسانی آنکھ کی مانند ہے کہ کسی چیز کو دیکھنے کے لیے صرف آنکھ میں بصارت کافی نہیں ہے بلکہ خارج میں سورج وغیرہ کی روشنی ضروری ہے۔ اگر خارج میں روشنی موجود نہ ہو تو آنکھ میں بصارت ہونے کے باوجود دیکھا نہیں جاسکتا۔ ایسے ہی عقل کو کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لئے خارجی دلائل وشواہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں خارجی دلائل وشواہد کو عقل ترتیب دے کر مختلف نتائج اخذ کرتی ہے۔ دینیات کے باب میں وہ خارجی دلائل کتاب وسنت میں بدرجہ أتم وأکمل موجود ہیں۔ اس لیے ہمیشہ دعوت دیتے ہوئے عقل کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت کے دلائل کو بنیاد بنانا چاہیے۔ سائنس کے اس دور میں کتاب وسنت سے ایسے دلائل کا انتخاب کیا جاسکتا ہے جن کا تعلق سائنسی امور سے ہے، اور آج سائنس ان امور میں کتاب وسنت کی مکمل تصدیق کرنے پر مجبور ہے۔

☆ عقل، فلسفہ یا سائنس کی بجائے کتاب وسنت کے دلائل کو اصل بنیاد بنانا اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا مقصد صرف کسی کو اس کے باطل دین سے آزاد کرانا نہیں، بلکہ اس کے باطل مذہب سے نکال کر دین اسلام میں داخل کرنا ہے۔ اس لیے انتہائی حکمت عملی کے ساتھ "إبطال الباطل" (باطل کا بطلان واضح کرنا) کرتے ہوئے "إحقاق الحق" (حق کی حقانیت واضح کرنا) بھی ساتھ کریں تاکہ مدعو ایک باطل سے نکل کر کسی دوسرے باطل کا شکار نہ ہو۔ یا وہ اپنے باطل مذہب سے نکل کر حق میں داخل ہونے سے قبل کسی اور مانع کا شکار نہ ہوجائے۔ اور اس لیے بھی کہ اصل مقصد إحقاق الحق ہے، إبطال الباطل تو ایک ذریعہ ہے۔ اگر إحقاق الحق کے بغیر إبطال الباطل ہو تو اس کا خاص فائدہ نہیں ہے، اس لیے إبطال الباطل کے ساتھ إحقاق الحق اس طرح ہو کہ جیسے ہی وہ اپنے باطل عقائد سے پلو چھڑائے تو اس کے سامنے صراط مستقیم یعنی کتاب وسنت کا راستہ موجود ہو۔

☆ داعی کا کتاب وسنت سے اتنا مضبوط تعلق ہونا چاہیے کہ کوئی شبہ وارد ہوتے ہی اسے اس کے باطل ہونے کا مکمل یقین ہوجائے، خواہ مفصل رد پہچاننے میں وقت لگے۔ اگر اس کا تعلق کتاب وسنت سے اتنا مضبوط نہیں ہے تو اسے شبہات میں مبتلا لوگوں سے گفتگو اور مجلس کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

☆ اگر آپ دعوتِ حق صحیح طریقہ سے پیش کرتے ہیں پھر کوئی اس دعوت کو قبول نہیں کرتا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کے دلائل کمزور ہیں، اس لیے پریشان مت ہوں۔ بعض دفعہ مدعوین اللہ کی توفیق سے محروم ہوتے ہیں، انہیں نصیحت کرتے رہیں، اللہ سے ان کی ہدایت کی دعا کرتے رہیں۔ ممکن ہے وہ اپنے آپ کو تبدیل کریں تو اللہ بھی ان کی حالت بدل دے اور انہیں ہدایت کی نعمت سے نواز دے۔ داعی شخص کو دعوت میں اپنے کردار کا علم ہونا چاہیے کہ اس کا کام صرف دعوت حق کی احسن طریقہ سے تبلیغ ہے، پھر اس کے نتائج اللہ کے اختیار میں ہیں۔

☆ جو لوگ کتاب وسنت کو جھٹلاتے ہیں وہ اس لئے نہیں جھٹلاتے کہ کتاب وسنت کے دلائل کمزور ہیں۔ بلکہ کتاب وسنت کو جھٹلانے والا بنیادی طور پر دو میں سے ایک شخص ہوگا: یا تو وہ کتاب وسنت سے ناواقف اور جاھل ہوگا جو اپنی جہالت کی بنیاد پر جھٹلا رہا ہوگا۔ یا پھر خواہش پرست اور متکبر ہوگا جو عناد و کبر اور دنیاوی مفادات کی خاطر جھٹلا رہا ہوگا۔ حق کو جھٹلانے کی تیسری صورت ممکن ہی نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں داعی کو مدعوین کے عدمِ قبول سے اپنے دین اور کتاب وسنت کے دلائل کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فاستمسك بالذي أوحي اليك انك على صراط مستقيم﴾

’’پس تو اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھ جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے، یقیناً تو سیدھے راستے پر ہے۔‘‘

☆ اہل اختصاص کا کام ہے کہ شبہات کا تفصیلی رد پہچانیں اور تفصیلی رد کرتے رہیں، لیکن عوام الناس اور غیر متخصص لوگوں کو شبہات اور فتنوں سے بچانے کا یہی واحد راستہ ہے کہ ان کا کتاب وسنت سے تعلق مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے اور اس عقیدہ کو ان کے اذہان میں اچھی طرح بٹھا دیا جائے کہ کتاب وسنت کے منافی ہر امر باطل ہوتا ہے، وہ کبھی حق نہیں ہوسکتا کیونکہ کتاب وسنت کے دلائل محدود ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قیامت تک کے تمام امور کو شامل ہیں۔ جبکہ فتن اور شبہات لامحدود ہیں اور متجدد ہیں، آئے روز کوئی نیا فتنہ سر اٹھاتا ہے اور نئے نئے شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہر آدمی کے لیے ہر فتنے اور ہر شبہ کا تفصیلی رد پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے عوام الناس اور غیر متخصصین کے لئے یہی سلامتی کا راستہ ہے کہ وہ کتاب وسنت سے اپنا تعلق مضبوط رکھیں اور اللہ تعالی سے ثابت قدمی کی دعا کرتے رہیں۔

اللہ تعالی ہم سب کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے۔

حالیہ امریکی فسادات: بعض عقدی وفکری پہلو

فیضان فیصل

جارج فلائیڈ ایک چھیالیس سالہ سیاہ فام امریکی تھا جسے 25 مئی کو امریکی شہر منی ایپلیس Minneapolis میں ایک سفید فام پولیس اہلکار نے قتل کر دیا۔ پولیس اہلکار نے تقریبا نو منٹ جارج کی گردن پر گھٹنا ٹیکے رکھا، جس سے وہ مر گیا۔ اس واقعے کے محرکات کیا تھے، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ تب سے امریکہ کے سینکڑوں شہر رزم گاہ بنے ہوئے ہیں۔ مظاہرین نعرے لگا رہے ہیں، املاک تباہ کر رہے ہیں، دکانیں لوٹ رہے ہیں، پولیس کی گاڑیوں کو، بلکہ زندہ پولیس اہلکاروں کو آگ لگا رہے ہیں۔ تہذیب کے گماشتوں کے ہاں دنیا کی ہر بدتہذیبی جاری ہے۔ خیر یہ وہاں معمول ہے۔ ہم سرِ دست اس واقعے کے تناظر میں اپنے بھائیوں کو بعض باتیں سمجھانا چاہتے ہیں۔

کفار پر آفتوں کا ٹوٹنا مقام شکر ہے۔

اگر کفار کو مصائب اور آفات کا سامنا ہو تو اہلِ اسلام کیلیے یہ مقامِ شکر ہے، خواہ قدرتی آفات ہوں، کفار کا داخلی انتشار و خانہ جنگی ہو یا مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت کا سامنا ہو۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أما إن نزلت بالكفار نازلة، فذلك مما يشكر الله عليه، وليس مما يدعى برفعه.“

”اگر کفار پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے، تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، نہ کہ اس کے خاتمے کی دعا کی جائے۔“ [۱]

امام صاحب کی یہ بات کتاب وسنت کی نصوص، علمائے سلف وخلف کے عمل اور اسلام کے کفار سے متعلق عمومی جلالی مزاج کے بالکل موافق ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

”پس ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنھوں نے ظلم کیا تھا، اور تمام تعریف اللہ ہی کیلیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔“ [۲]

مفسر ابن عاشور رحمہ اللہ (ت: ۱۳۹٤ھ) لکھتے ہیں:

”وفي ذلك كلّه تنبيه على أنّه يحقّ الحمد لله عند هلاك الظلمة، لأنّ هلاكهم صلاح للناس، والصلاح أعظم النعم، وشكر النعمة واجب.“

---

[۱] زاد المستقنع: ٤/٥٨

[۲] سورة الأنعام: 45

’’اس سب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ظالموں کی ہلاکت پر اللہ کی حمد لازم ہوجاتی ہے، کیونکہ ان کے ہلاک ہونے میں لوگوں کا بھلا ہے، اور بھلائی عظیم ترین نعمت ہے، اور نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔‘‘ [1]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ جاپان میں جو زلزلہ آیا ہے اس پر خوشی کا اظہار کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: درست ہے، کیونکہ ممکن ہے یہ زلزلہ ان کیلیے عبرت اور ہدایت کا سامان ہو۔ [2]

ائمہ محدثین ایسے بدعتیوں کی مصیبت اور اموات پر خوشی کا اظہار کیا کرتے جو اسلام کو نقصان پہنچاتے ہوں۔

امام اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا:

”الرجل يفرح بما ينزل بأصحاب ابن أبي دؤاد، عليه في ذلك إثم؟ قال: ومن لا يفرح بهذا؟“

’’ابن ابی دؤاد (جہمیہ کا امام) کے ساتھیوں پر کوئی مصیبت آئے، تو اس پر خوشی منانے والے ہر کوئی گناہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ’’اس پر کون خوش نہیں ہوگا؟‘‘ [3]

بالخصوص امریکہ کے ظلم وعدوان اور دنیا بھر میں فساد کا پشت پناہی کرنے والا ہونا کوئی مخفی امر نہیں ہے۔ ایسی سرکش وجابر ریاست کو کسی مسلمان کی ہمدردیوں کا محور نہیں ہونا چاہیے۔

شیخ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

”الذي لا يعلم أن أمريكا وروسيا تريدان القضاء على الإسلام والمسلمين فهو مغفل أشبه بالبهائم.“

’’جسے یہ نہیں پتہ کہ امریکہ اور روس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی بساط لپیٹنا ہے وہ پرلے درجے کا احمق، جانوروں سے مشابہ ہے۔‘‘ [4]

پھر ایسے منافق صفت اور بدترین کفار کے مصائب وآفات میں گھرنے کو اہل ایمان کے دلوں کی ٹھنڈک قرار دیا گیا ہے، چہ جائیکہ ان کیلیے ہمدردیوں اور دعاؤں کا سلسلہ رکھا جائے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

’’ان سے لڑو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا دے گا۔ اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ توبہ کی توفیق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔‘‘ [5]

---

[1] تفسير التحرير والتنوير: 7/232
[2] شرح كشف الشبهات، الشريط الثاني
[3] السنة للخلال، رقم: 1769
[4] إلحاد الخميني في أرض الحرمين: 6
[5] سورة التوبة: 14، 15

کفار کبھی مسلمانوں سے اچھے نہیں ہو سکتے۔

کفار کی دنیوی ترقی اور چکا چوند اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے مرعوب مسلمانوں کا ایک طبقہ ہمہ وقت ان کی شان میں رطب اللسان اور مسلمانوں کو کوسنے دینے میں مصروف رہتا ہے۔ یہ عمل عقیدے کے بھی منافی ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا فائدہ اٹھاتے اور کھاتے ہیں، جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور آگ ان کے لیے رہنے کی جگہ ہے۔'' [1]

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں کفار کو ان کے کفر کی بدولت جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ [2]

شیخ عبدالرحمن بن ناصر البراک حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''وعلى هذا فذكر ما عند الكفار من أخلاق محمودة على وجه المدح لهم والإعجاب بهم وتعظيم شأنهم حرام لأن ذلك مناقض لحكم الله فيهم والله قد ذمهم وتوعدهم وشبههم بالأنعام.''

''لہٰذا کفار کے اچھے اخلاق کا ذکر ان کی تعریف اور رشک کے پیرائے میں کرنا، اور ان کی تعظیم کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ ان کے بارے میں اللہ کے حکم کے منافی ہے۔ اللہ نے تو ان کی مذمت کی ہے، انہیں وعید سنائی ہے اور انہیں جانوروں سے مشابہت دی ہے۔'' [3]

علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وأما من يمدح النصارى، ويقول إنهم أهل العدل أو يحبّون العدل، ويكثر ثناءهم في المجالس، ويهين ذكر السلطان للمسلمين، وينسب إلى الكفار النّصيفة وعدم الظلم والجور؛ فحكم المادح أنه فاسق عاص مرتكب لكبيرة؛ يجب عليه التوبة منها والندم عليها؛ إذا كان مدحه لذات الكفار من غير ملاحظة الكفر الذي فيهم. فإن مدحهم من حيث صفة الكفر فهو كافر، لأنه مَدَح الكفر الذي ذمته جميع الشرائع.''

''اور جو عیسائیوں کی تعریف کرتا ہے، اور کہتا ہے وہ بڑے منصف مزاج اور انصاف پسند ہیں، اور مجالس میں ان کی تعریفوں کے پل باندھتا رہتا ہے، اور مسلمانوں کیلیے ان کے سلطان کے تذکرے کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے، اور کفار کو انصاف اور عدمِ ظلم وجور سے منسوب کرتا ہے، تو یہ شخص فاسق، گناہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہے۔ اس پر توبہ اور اپنے عمل پر ندامت واجب ہے، اگر اس کی تعریف محض کافروں کی ذات کیلیے ہے، ان کے کفر کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور اگر وہ کفر کی وجہ سے ان کی

---

[1] سورۃ محمد: 12

[2] سورۃ الأعراف:179، سورۃ الفرقان:44

[3] https://ar.islamway.net/fatwa/36462/

تعریف کرتا ہے تو وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے کفر کی تعریف کی جس کی مذمت تمام شریعتیں کرتی ہیں۔'' [۱]

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم دین کی بات نہیں کرتے، وہاں کے لوگ اصول وضوابط اور قانون کے پابند ہیں، یا اخلاق ومعاملات میں کھرے ہیں۔ یہ بات بھی حقائق کے منافی ہے۔

امام محمد بن محمد الموصلی الشافعی رحمہ اللہ (ت: ۷۷٤ھ) فرماتے ہیں:

"فما من فضل يوجد في غير هذه الأمة إلا وهو في الملة الإسلامية أفضل وأكمل، ولا عيب يوجد في بعضهم إلا وهو في غيرهم أفحش."

''ہر وہ خیر جو غیر مسلم اقوام میں ہے، وہ مسلمانوں میں کہیں بہتر اور بھرپور طریقے سے موجود ہے۔ اور ہر وہ برائی جو بعض مسلمانوں میں ہے، وہ غیر مسلموں کے ہاں اپنی حدوں کو پہنچی ہوئی ہے۔'' [۲]

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اعلم أنه ليس في الكفار صدق ولا وفاء بعهد ولا حسن في معاملة إلا وهو في الإسلام، لكن من أصمه الله من المسلمين وصار أذنابا لهم يرى أن كل خلق حسن ومعاملة طيبة فهي منهم."

''جان لو کہ کفار میں جو بھی سچائی، ایفائے عہد اور حسنِ معاملہ جیسی صفات ہیں، وہ سب کی سب اسلام میں موجود ہیں۔ لیکن جس مسلمان کو اللہ نے بہرا کر دیا ہو، اور وہ کافروں کا پٹھو بن جائے، تو اسے ہر اچھا اخلاق اور عمدہ معاملہ کافروں میں ہی نظر آتا ہے۔'' [۳]

ہم عرض کرتے ہیں کہ کافروں کی اصول پرستی اور اچھے ہونے کے دعوے کی قلعی کھولنے کیلئے دو ہی چیزیں ''ریسزم'' اور ''اسلاموفوبیا'' کافی ہیں۔ من حیث المجموع کفار کے معاشرے بدترین اخلاقی بحران کا شکار ہیں۔ حالیہ امریکی فسادات اور گزشتہ برس فرانس کے ییلو ویسٹ مظاہروں میں جو کچھ گل کھلایا گیا، وہ کسی صاحب بصارت وبصیرت سے مخفی نہیں ہونا چاہیے۔

؎ چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

اگر آپ ضروریات خمسہ کو ہی دیکھیں تو کفار کے ہاں دین کب کا راہی عدم ہوا۔ حفظِ نفس کو دیکھیں تو 2020 میں قتل کے اب تک کے اعداد وشمار میں پہلا مسلم ملک ''مالی'' ہے جو مجموعی اعتبار سے 39 ویں نمبر پر ہے۔ [۴]

حفظِ نسل کو دیکھیں تو ریپ کیسز میں پہلا مسلم ملک بنگلہ دیش ہے جو مجموعی اعتبار سے 40 ویں نمبر پر ہے۔ اکیلے شمالی امریکا میں ایسے واقعات پورے ایشیا کی نسبت دوگنے ہیں۔ [۵]

شائقینِ تحقیق مزید دیکھیں گے تو وہ چوری چکاری، چائلڈ کرائم، لاء وائلیشن، مسنگ پرسنز، ڈرگ اڈکشن اور دیگر تمام مذہبی، سیاسی،

---

[۱] العبرة مما جاء في الغزو والشهادة والهجرة: 245

[۲] حسن السلوك الحافظ دولة الملوك: ١٦٤

[۳] فتح ذي الجلال والإكرام: 4/306

[۴] https://www.google.com/amp/s/www.worldatlas.com/amp/articles/murder-rates-by-country.html

[۵] https://worldpopulationreview.com/countries/rape-statistics-by-country/

سماجی اور معاشی جرائم میں یہی صورت حال پائیں گے۔ پھر دو قدم آگے چلیں تو عالمی جنگیں، اسٹالن، ماؤزے اور ہٹلر کے قتل عام محکوم قوموں کے ساتھ مغربی اقوام کا حیوانی سلوک اور نہ جانے کیا کچھ ان مغرب کے ثناء خوانوں کا منہ چڑا رہا ہے۔

مصری مؤرخ دکتور علی غمراوی (ت: 1993م) ایک طویل عرصہ یورپ میں رہے اور دس کے قریب یورپی زبانوں پر مہارت رکھتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے عرب اسلامی ممالک میں زندگی مغربی معاشروں سے ہزار گنا بہتر ہے۔ [1]

یہی احساس ہر اس مسلمان کا ہے جس نے مغرب کو اس کے روشن نقاب کے پیچھے سے دیکھنے کا تجربہ کر رکھا ہے۔

ان مثالوں سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ بالفرض والمحال اگر کافروں کا مخصوص معاشرہ کسی جہت میں مسلمانوں سے فائق ہے تب بھی وہ اپنے کفر کے باعث اسلامی معاشرے سے بدتر ہے۔ دوسرے لفظوں میں بہترین کافر معاشرہ بدترین مسلم معاشرے سے برا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان امور کے صحیح درک کیلیے اجتماعی ظواہر کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ دل میں ''الولاء والبراء'' کی چنگاری ہونا بھی ضروری ہے۔ جو ایک مسلمان کو کفار کی تعریفیں کرنے سے، انہیں مسلمانوں پر فوقیت دینے سے، ان کے ممالک میں بلا عذر سفر کرنے سے، ان کی مادی ترقی کی چکا چوند کے سامنے خیرہ ہونے سے روک رکھے۔ اسی طرح مسلمانوں کو ملامتیں کرنے سے، انہیں عار دلانے اور مایوسیاں پیدا کرنے سے اور ان کے مثالب کا چرچا کرنے سے بھی روکے رکھے۔

ایک اہم نکتے کی وضاحت بہتر معلوم ہوتی ہے کہ کسی کافر کی مطلق تعریف منع نہیں ہے۔ جیسے کسی کے حسن و جمال کی تعریف کر دینا، یا برسبیلِ تذکرہ کسی کے حسنِ معاملہ پر دو لفظ بول دینا۔ جرم در اصل کفار کو مجموعی طور پر مسلمانوں سے بہتر گرداننا اور باور کروانا اور اس منحوس فکر کی ترویج کرنا ہے۔

پھر مسلمان پست اور تہی داماں کیوں ہیں؟

یہ ایک اہم سوال ہے۔ ٹھیک ہے کافر ہر طرح سے بدتر ہیں، مگر پھر بھی وہ مسلمانوں پر غالب ہیں۔ مسلمان زوال پذیر ہیں اور کافر قومیں ان پر چڑھ دوڑی ہیں۔ مسلمانوں کی یہ پستی اللہ تعالی کی حکمت ومشیت کے مطابق ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اصْبِرُوا فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ.''

''صبر کرو، بیشک تم پر آنے والا ہر زمانہ اپنے سے پہلے زمانے سے بدتر ہوگا، یہاں تک کہ تم رب سے جا ملو۔'' [2]

اس پستی اور بد سے بدتر کے سفر کی وجہ بھی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں بیان فرمائی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ.''

''جب تم سودی کاروبار میں لگ جاؤ گے، اور گائے کی دُمیں تھام لو گے، اور کھیتی باڑی پر تکیہ لگا کر جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تم

[1] الغرب من الداخل للدكتور مازن مطبقاني: 63

[2] صحيح البخاري: 7068

پر ذلت مسلط کر دے گا، جو اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہیں جاتے۔" [1]

دنیاوی طور پر مسلمانوں اور کافروں کے اجتماعی معاملے میں یہی جوہری فرق ہے۔ مسلمانوں کے عروج اور شان وشوکت کو دین پر عمل سے مشروط کیا گیا ہے، جبکہ کفار کیلیے یہی دنیا جنت ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔" [2]

ان حالات میں مسلمان دو طرح کی غلطی کرتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ جن کا حال ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ جنہیں اہل اسلام کی تعزیز و توقیر اور سربلندی سے کوئی مطلب نہیں، بس کفار کی مدح سرائی اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو جزع فزع اور جلد بازی سے کام لیتے ہیں، مایوسیاں پھیلاتے ہیں اور بعض دفعہ اسی داخلی ہیجان واضطراب کا شکار ہو کر اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر چڑھ دوڑتے ہیں اور انہیں مزید کمزور کر بیٹھتے ہیں۔

ان حالات میں کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟

رسول اللہ ﷺ نے جہاں ان برے حالات کا ذکر فرمایا وہیں ایک گروہ کے حق پر قائم اور غالب رہنے کی پیشین گوئی بھی فرمائی۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَلِكَ.﴾

"میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، وہ اسی طرح حق پر ڈٹے رہیں گے حتی کہ قیامت قائم ہو جائے۔" [3]

اور فسادِ زمان کے وقت دین پر ڈٹے رہنے والے اور حسبِ استطاعت اصلاح کا کام جاری رکھنے والے اِس گروہ کی تعریف وتوصیف بھی کی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور کئی ایک صحابہ سے مروی مشہور حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ."

"اسلام کی ابتداء اجنبیت سے ہوئی تھی، یہ دوبارہ اجنبیت کی طرف لوٹ جائے گا، پس خوشخبری ہے اجنبیوں کیلیے!" [4]

بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسلام کے غلبۂ نو پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ابتداء میں اسلام اجنبی تھا اور جلد ہی غالب ہو گیا۔ اسی طرح یہ دوبارہ غالب ہونے سے پہلے ایک دفعہ پھر اجنبی ہو کر رہ جائے گا۔ اور اس بات کی تائید امام مہدی اور سیدنا عیسی علیہ السلام کے متعلق روایات

---

[1] سنن أبي داؤد: 3462، صححه الألباني

[2] سورة محمد: 7

[3] صحيح مسلم: 1920

[4] صحيح مسلم: 145

سے بھی ہوتی ہے۔ [1]

نیز احادیث میں اس دور میں دین پر ثابت قدم شخص کو انگارے تھامنے کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ اس کے اجر کو (حدیث کی صحت میں اختلاف سے قطع نظر) پہلے لوگوں میں سے پچاس کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی دین سے تنازل کے نتیجے میں آنے والی پستی کے دور میں بھی ایک گروہ اللہ کے وعدے پر ایمان رکھتے ہوئے دین پر ڈٹا رہے گا۔

اس لیے اہلِ علم نے نوازل وفتن اور سخت حالات میں جزع وفزع، بے صبری اور بیم وملامت کے رویے کو اللہ سے بدگمانی قرار دیا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ مشرکین ومنافقین اور جاہلیت کے گمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فمَن ظنَّ بأنه لا ينصرِ رسولَه، ولا يُتِمُّ أمرَه، ولا يؤيِّده، ويؤيدُ حزبه، ويُعليهم، ويُظفرهم بأعدائه، ويُظهرهم عليهم، وأنه لا ينصرِ دينه وكتابه، وأنه يُديل الشركَ على التوحيدِ، والباطلَ على الحقِّ إدالة مستقرة يضمحِلّ معها التوحيد والحق اضمحلالا لا يقوم بعده أبداً، فقد ظنَّ بالله ظن السَّوْءِ.“

”پس جس کا خیال ہے کہ وہ اپنے رسول کی نصرت نہیں کرے گا، اپنے امر کو تمام کرکے اس کا مددگار نہیں بنے گا، اپنے نام لیواؤں کا ساتھ نہیں دے گا، انہیں دشمنوں پر بلندی، کامیابی اور غلبہ عطا نہیں کرے گا، اپنے دین اور کتاب کی نصرت نہیں کرے گا، بلکہ شرک کو توحید پر اور باطل کو حق پر ایسا مستحکم غلبہ دے گا کہ توحید اور حق کمزور پڑ کر دوبارہ کبھی سر نہیں اٹھا سکیں گے؛ تو یقیناً اس نے اللہ پر برا گمان رکھا۔“ [2]

سو حالات بہت برے ہیں۔ لیکن اس جملے کی گردان سے یہ اچھے نہیں ہو سکتے۔ ان حالات میں ایک گروہ حق پر قائم ہے، اس کی علامات اور کردار واضح ہیں۔ اگر حکمتِ عملی، متطلباتِ زمانہ، بین المذاہب ہم آہنگی اور دیگر خوشنما نعروں کی آڑ میں دین کے مسلّمات سے تنازل یا ان میں تساہل برتا ہے تو پھر غربت کس بات کی؟! اسی طرح اگر حکمرانوں کو کوسنے دے کر، اپنے مسلمان بھائیوں پر لعن طعن کرکے، کفار سے مرعوب اور جذبات سے مغلوب ہو کر فتنہ وفساد کی راہ پکڑ نی ہے تو اجر میں اضافہ کس بات کا؟

اس لیے نہ تو مایوس ہوں اور نہ جذبات سے مغلوب ہوں۔ دین پر ڈٹے رہیں، دوسروں کو دعوت دیتے رہیں، تکالیف آئیں تو برداشت کریں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا وعدہ پورا کردے اور دین غالب ہو جائے۔

---

[1] فتاوى اللجنة الدائمة: 2/170

[2] زاد المعاد في هدي خير العباد: 3/206

خدا رحمت کنند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(گزشتہ دو ماہ کے دوران وفات پانے والے علماء کا مختصر تذکرہ)

عمار ظُہیر سعیدی

انبیاء کے وارث علماء ہوتے ہیں جو ان کا مشن لے کر چلتے ہیں۔ جب یہ ورثاء چلے جاتے ہیں، تو ان کے ساتھ ان کا علم بھی اٹھ جاتا ہے۔ مرورِ زمانہ اور قربِ قیامت کے ساتھ ساتھ علماء اٹھتے چلے جائیں گے اور جُہّال مسندیں سنبھال لیں گے۔ سال ۲۰۲۰ء اس حوالے سے خاصا المناک ہے کہ کئی اساطینِ علم یکے بعد دیگرے داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ علمی حلقوں کی یہ آخری کھیپ ہے جسے اسلاف کے منہجِ تعلیم وتزکیہ سے کوئی مَس ہے، جن کی سانسوں میں خیر القرون کی خوشبو آتی ہے۔ اس کے بعد تو وہ اندھیر نگری ہے کہ کچھ سجھا تا ہی نہیں۔ بزرگ علماء کا یوں آگے پیچھے دنیا چھوڑتے چلے جانا شر اور فتنوں کے بڑھنے کی علامت ہے۔ اللہ ہمیں تا زندگی علماء کبار کے سایہِ نورانی میں رکھے، کہ ان کا ساتھ ہمہ قسم کے ظاہری و باطنی فتنوں سے بچاؤ کیلیے اکسیر ہے۔

ذیل میں ہم گزشتہ دو ماہ کے دوران وفات پانے والے علماء کا انتہائی مختصر تعارف قارئین کی نذر کر رہے ہیں:

مولانا عیاض نحوی رحمہ اللہ (وفات: ۳ مئی، ۲۰۲۰ء):

آپ ۱۹۵۶ء کو ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد سے حاصل کی اور ۱۹۸۶ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اجازۃ العالمیہ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا عبد الغفار حسن، حکیم عبد الرحیم اشرف اور مولانا عبد الرشید ندوی لداخی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ آپ عرصہ دراز سے جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی اور جامعۃ الرشید وغیرہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ فقہی مسلک حنفی ہونے کے باوجود آپ پیکرِ توحید اور متبع سنت تھے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں پروفیسر ڈاکٹر مسعود سندھی (اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد)، ڈاکٹر ہدایت اللہ مدقق (قیصریہ یونی ورسٹی ترکی)، ڈاکٹر فراز الحق (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) اور شیخ رضوان اللہ عبد الغنی (ملائشیا) حفظہم اللہ شامل ہیں۔ صرف ونحو اور بلاغت وادب جیسے موضوعات پر آپ کو اچھوتی دسترس حاصل تھی، سمجھانے کا ملکہ بھی کمال تھا۔ آپ کی تصانیف میں نحو کے موضوع پر "مدنی قاعدہ" شامل ہے۔ آپ کی وفات بروز اتوار ۳ مئی ۲۰۲۰ کو ہوئی۔

شیخ الحدیث عبد الحمید ہزاروی رحمہ اللہ (وفات: ۹ مئی، ۲۰۲۰ء):

آپ ۱۹۳۴ء کو نتھیا گلی کے علاقہ کالا باغ میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی مکمل تعلیم دار العلوم تقویۃ الاسلام اوڈاں والا سے حاصل کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا صادق خلیل، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا اِسحاق چیمہ اور حافظ عبد اللہ بڈھیمالوی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ آپ تدریس کے ابتدائی چند برس مختلف مدارس میں گزارنے کے بعد جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کے ہو کر رہ گئے۔ ۱۹۵۵ء سے وفات تک کم وبیش ۶۵ برس جامعہ محمدیہ سے وابستہ رہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں حافظ عبد المنان نور پوری رحمہ اللہ، حافظ عبد السلام بھٹوی، ڈاکٹر فضل الٰہی، شیخ الحدیث حافظ محمد امین (اوڈاں والا) اور حافظ محمد شریف (مدیر مرکز التربیہ فیصل آباد) حفظہم اللہ شامل ہیں۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ پاکستان کے بیشتر علماء وطلبہ ایک،

دو، تین یا چار واسطوں سے آپ کے شاگرد ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ وفاق المدارس السّلفیہ فیصل آباد کے نائب صدر بھی تھے۔ آپ طلبہ کے لیے نہایت شفیق، نرم دل اور درِ خلائق شخصیت تھے۔ فتویٰ نویسی بھی کیا کرتے تھے، اور اس فن میں خاص درَک حاصل تھا۔ آپ کی وفات بروز ہفتہ ۹ مئی ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

پروفیسر ثناء اللہ خان رحمہ اللہ (وفات: ۱۸ مئی، ۲۰۲۰ء):

آپ ۲ فروری ۱۹٤۰ء کو معروف عالم دین مولانا عبد اللہ کلسوی رحمہ اللہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی، بی اے آنرز اور ایم اے عربی پنجاب یونی ورسٹی سے کیا۔ بعد ازاں جامعہ ملک سعود ریاض سے ہائر ڈپلومہ اِن عربیک لنگویج کیا۔ آپ عرصہ ۲۰ سال جی سی یونی ورسٹی لاہور میں شعبہ اسلامیات سے وابستہ رہے اور ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ بن کر ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ بہترین واعظ تھے۔ اثر انگیزی اور نتیجہ خیزی آپ کے مواعظ کا خاصہ تھا۔ ۱۹۷۳ء سے جامع مسجد ربانی اہل حدیث سمن آباد میں خطابت کی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ آپ کی وفات بروز سوموار ۱۸ مئی ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

مولانا عطاء اللہ ڈیروی رحمہ اللہ (وفات: ۲۲ مئی ۲۰۲۰ء):

آپ ۱۹٤۳ء کو ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تعلیم دار الحدیث جلال پور پیر والا سے حاصل کی۔ آپ کا شمار دار الحدیث کے قدیم فضلاء میں ہوتا ہے۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں شیخ الحدیث سلطان محدث جلال پوری رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث رفیق اثری حفظہ اللہ شامل ہیں۔ آپ نے ۳۰ سال کا عرصہ شارجہ میں گزارا، جہاں آپ قال اللہ و قال الرسول کا درس دیتے رہے۔ آپ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ آپ انتہائی سادہ اور منکسر المزاج شخصیت تھے۔ آپ نے بے شمار کتب تصنیف کیں، جن میں "دیوبندی اور تبلیغی جماعت کا تباہ کن صوفیت کا عقیدہ"، "محرف قرآن و منکر حدیث پرویز صاحب اور مسئلہ تقدیر" اور "منکرین حدیث اور بی بی عائشہ رض کے نکاح کی عمر" مشہور تصانیف ہیں۔ آپ کی وفات بروز جمعہ المبارک ۲۲ مئی ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

شیخ الحدیث عبد الرشید راشد ہزاروی رحمہ اللہ (وفات: ۲۹ مئی ۲۰۲۰ء):

آپ ۱۹۳۵ء کو گلیات کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تکمیل مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈاں والا سے کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں حافظ محمد گوندلوی، حافظ عبد اللہ بڈھیمالوی، اور مولانا شریف اللہ خان سواتی رحمہ اللہ جیسے اساطین علم شامل ہیں۔ آپ نے تقریباً ٦٥ سال مختلف مدراس میں علم حدیث کا درس دیا، جن میں دار العلوم تقویۃ الاسلام اوڈاں والا اور جامعہ محمدیہ اوکاڑہ شامل ہیں۔ آپ ۳۸ سال سے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ جلیلہ پر متمکن تھے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں مولانا طیب معاذ رحمہ اللہ، حافظ محمد شریف (مدیر مرکز التربیہ فیصل آباد)، حافظ مقصود احمد (امیر مرکزیہ اسلام آباد) اور مصنف شہیر مولانا برق توحیدی حفظہ اللہ شامل ہیں۔ آپ مختلف جماعتی رسائل میں تحقیقی مضامین بھی لکھتے رہے۔ آپ صابر و شاکر عالم دین، بہترین خطیب و مقرر اور تجربہ کار مدرس تھے۔ آپ کی وفات بروز جمعۃ المبارک ۲۹ مئی ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

قاری یحییٰ رسول نگری رحمہ اللہ (وفات: ۳۱ مئی، ۲۰۲۰ء):

آپ ۱۹٤۵ء کو ضلع فیروز پور کے قصبہ کوٹ کپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قرأت کی تعلیم قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ سے حاصل کی اور درس نظامی کی تعلیم جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں، جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ بحر العلوم کراچی سے حاصل کی۔ آپ کے مشہور

اساتذہ میں مولانا ابوالبرکات، مولانا یحییٰ بھوجیانی، مولانا داؤد راغب رحمانی، علامہ یوسف کلکتوی، ﷭ اور ڈاکٹر عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ شامل ہیں۔آپ کی عمر بھر کا اوڑھنا بچھونا قرآن مجید ہی رہا، تقریباً ۵۰ سال کا عرصہ قرآن کی تعلیم دی۔قاری ابراہیم میری محمدی، قاری عبدالسلام عزیزی اور قاری حمزہ مدنی ﷾ جیسے چوٹی کے قراء آپ کے شاگرد ہیں۔آپ بابائے قرأت کے لقب سے موسوم تھے۔سابقہ و متنازعہ امام حرمِ مکی عادل الکلبانی نے آپ کو قرآن مجید سنا کر تلفظ اور ادا درست کرایا تھا۔بعد ازاں شیخ سعود الشریم ﷾ نے بھی بعض قرآن سنایا اور آپ کے تلامذہ میں شامل ہوگئے۔آپ نے تجوید وقرأت کے موضوع پر کتابچے بھی لکھے، جن میں "اسهل التجويد" اور "تحفة القراء" وغیرہ شامل ہیں۔آپ کی وفات بروز اتوار ۳۱ مئی ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

مولانا عبدالرحمن لدھیانوی ﷫ (وفات: ۳ جون، ۲۰۲۰ء):

آپ ۳۰ مارچ ۱۹۴۵ء کو لدھیانہ کی تحصیل سمرالا میں پیدا ہوئے۔درس نظامی کی ابتدائی تعلیم جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے حاصل کی اور دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور سے سند فراغت حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں حافظ عبداللہ محدث روپڑی، مولانا بنیامین طور، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی اور حافظ اسحاق حسینوی ﷭ شامل ہیں۔آپ اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے عربی کرنے کے بعد لیکچرار تعینات ہوئے اور محکمہ تعلیم میں متعدد خدمات سرانجام دیں۔آپ ڈپٹی ڈائریکٹر لائبریریز ڈی پی آئی آفس لاہور رہے۔پھر اسی آفس کے ڈائریکٹر جنرل، ڈائریکٹر (ایڈمن) کالجز، ڈائریکٹر پلاننگ اور ایڈیشنل ڈی پی آئی آفس لاہور کے عہدہ پر فائز رہے۔آپ ممتاز ماہر تعلیم تھے۔سرکاری نصاب ساز کمیٹی میں بھی شامل رہے اور وفاق المدارس سلفیہ فیصل آباد کے کنٹرولر امتحانات بھی تھے۔آپ بہترین واعظ تھے۔ریڈیو پاکستان میں "حکمت کے موتی" کے عنوان سے تقاریر کا سلسلہ بھی فرماتے رہے۔اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۸۷ء سے ہفت روزہ اہل حدیث لاہور میں درس حدیث کے عنوان سے تادم وفات لکھتے رہے۔آپ کی وفات بروز بدھ ۳ جون ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

شیخ الحدیث رحمت اللہ ربانی ﷫ (وفات: ٤ جون، ۲۰۲۰ء):

آپ ۱۹۳۷ء میں ہندوستان کے علاقہ انبالہ میں پیدا ہوئے۔درس نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے حاصل کی۔بعد ازاں جامعۃ الملک السعود ریاض سے "الشریعہ والقضاۃ" (قاضی کورس) بھی کیا۔آپ نے عرصہ ٤٥ سال سے جامع مسجد مسجد بلال اہل حدیث الفیصل ٹاؤن میں امامت وخطابت کی ذمہ داریاں سنبھالی ہوئی تھیں۔آپ جامعہ محمدیہ لوکو ورکشاپ کے اولین شیخ الحدیث اور بانیان میں سے تھے، اور ۱۳ سال تک درس حدیث دیتے رہے۔آپ کے مشہور تلامذہ میں مولانا نذیر احمد ﷫، پروفیسر حافظ محمد سعید اور حافظ احسان الحق حقانی ﷾ شامل ہیں۔آپ نے ۱۰ کے قریب کتب تصنیف کیں، جن میں "فرضیت فاتحہ"، "رفع الیدین مع آمین بالجہر"، "مسائل ثلاثہ"، "اہل حدیث کون ہیں؟" اور "عمر عائشہ پر تحقیقی مقالہ" شامل ہیں۔آپ کی وفات بروز جمعرات ٤ جون ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

شیخ الحدیث محمد یونس بٹ ﷫ (وفات: ۵ جون، ۲۰۲۰ء):

آپ ٤ اپریل ۱۹۵٦ء کو ساہیوال میں پیدا ہوئے۔درس نظامی کی تعلیم جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے حاصل کی۔بعد ازاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے کلیۃ الشریعہ میں بی اے آنر کیا۔آپ کے مشہور اساتذہ میں حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، حافظ سلطان محمود جلال پوری، شیخ ابو بکر الجزائری، شیخ محمد امین الشنقیطی رحمہم اللہ، شیخ عبدالمحسن حمد العباد، حافظ ثناء اللہ عیسیٰ خان مدنی اور ڈاکٹر بہاء الدین سلیمان اظہر (انگریزی کے استاد) ﷾ شامل ہیں۔آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے نائب شیخ الحدیث اور وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان کے ناظم تھے۔آپ کے مشہور تلامذہ

میں مفتی مبشر احمد ربانی، ڈاکٹر طاہر محمود (مدیر الدعوہ اکیڈمی اسلام آباد)، استاذ القراء قاری نوید الحسن لکھوی (مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد) اور پروفیسر ڈاکٹر عبد اللطیف ساجد (اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد) ﷾ شامل ہیں۔ آپ انتہائی نفیس، خوش مزاج، باوقار اور منظم شخصیت تھے۔ آپ کی تصانیف میں عربی کتاب "صفات الأمر بالمعروف ونهي عن المنكر" اور شیخ علی محمد صلابی کی تصنیف "السيرة النبوية" کا اردو ترجمہ شامل ہیں۔ آپ کی وفات بروز جمعہ المبارک ٥ جون ٢٠٢٠ء کو ہوئی۔

مولانا ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد ؒ (وفات: ٧ جون، ٢٠٢٠ء):

آپ دسمبر ١٩٥٣ء کو قصور کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تعلیم جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے حاصل کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں حافظ عبد اللہ بڈھیمالوی، حافظ سلطان محمود جلال پوری، حافظ بنیامین طور ؒ اور حافظ ثناء اللہ عیسیٰ خان مدنی ﷾ شامل ہیں۔ آپ انتہائی با اخلاق، سنجیدہ مزاج اور بہترین داعی تھے۔ آپ کا قلم رواں تھا، تقریباً ٥٣ کے قریب کتب کی تصنیف اور ترجمہ کیا۔ تراجم میں "سنن ابن ماجہ"، "جامع الترمذی"، "سنن النسائی"، "مؤطا امام مالک" اور "تفسیر السعدی" جیسی امہات الکتب شامل ہیں۔ تصانیف میں "الجزیمۃ الجزاء (عربی)"، "دہشتگردی اور جہاد میں فرق" اور "دعوتی نصاب تربیت" وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کی وفات بروز اتوار ٧ جون ٢٠٢٠ء کو ہوئی۔

مولانا محمد حسین سعیدی ؒ (وفات: ١٦ جون، ٢٠٢٠ء):

آپ تقریباً ١٩٤٤ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی ابتدائی تعلیم دار الحدیث محمدیہ حافظ آباد سے حاصل کی اور مدرسہ فیض الاسلام جامعہ سعیدیہ میاں چنوں سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونی ورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں علامہ یوسف کلکتوی اور شیخ الحدیث ابوالحسنات علی محمد سعیدی ؒ شامل ہیں۔ آپ نے ١٩٧٤ء تک جامعہ سعیدیہ میں بطور مدرس فرائض سرانجام دیے۔ پھر جامع مسجد اہل حدیث چک ٣٠ جنوبی سرگودھا میں ٤٠ سال تک امامت وخطابت اور تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔ اس کے علاوہ آپ گورنمنٹ ادارے سے OT کورس کرنے کے بعد ١٩٨٧ء میں گورنمنٹ ٹیچر تعینات ہوئے اور ٢٠١١ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ نہایت سادہ مزاج، خوش اَخلاق اور مرنجان مرنج طبیعت کے حامل تھے۔ آپ کی وفات بروز منگل ١٦ جون ٢٠٢٠ء کو ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی قبروں پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے، اور علمی حلقوں میں ان کے جانشین پیدا کرے۔ آمین۔

MONTHLY
AL-MAHAJJA
ONLINE

امام العصر حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جو شخص پاکستان میں اسلامی آئین کے سوا کسی اور آئین کے جاری ہونے کا متمنی اور اس کے متعلق جدوجہد کرتا ہے وہ حقیقت میں ملک کا غدار ہے، پاکستان کو کمزور کرنے اور اس کو پارہ پارہ کرنے یا اس کو پھر نئے سرے سے ہندوستان میں مدغم کرنے کا متمنی ہے۔‘‘

(مقالات محدث گوندلوی:۳۰۵)

JULY 2020
ISSUE NO: **02**